

دل کی باتیں

جواز باقی نہ تھا۔ وہ گیٹ کھول کر ایک طرف ہوئی تھی۔
آنے والے نے بلا جھجک اندر قدم رکھا۔

”بہت سردی ہے آج۔“ وہ بے تکلفانہ لہجے میں
اس سے یوں مخاطب ہوا جیسے برسوں کی جان پہچان
ہو۔ اس نے کیا جواب دینا تھا۔ چپ چاپ گیٹ بند کر
کے اسے لیے ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ صورت
انجان تھی لیکن انداز جانا پہچانا۔ اوپر سے بے تکلفانہ
لہجہ وہ اسی ادھیڑ بن میں خالوجان کے کمرے میں آئی
تھی۔

”خالوجان کوئی سعدون صاحب آئے ہیں میں
انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر آئی ہوں۔“ خالوجان
اسی کے خطرے تلے کال بیل کی آواز انہوں نے بھی سنی
تھی۔

”ارے سعدون آیا ہے۔ لو بھی اب سعدون بھی
صاحب ہو گیا۔“

وہ خوش گوار حیرت میں گھر گئے تھے۔

”تم اسے یہاں ہی لے آئیں۔ لیکن خیر تم کوئی
جانتی تھوڑا ہوا ہے۔“ وہ خود ہی سوال جواب کرتے
گھٹنے پکڑے اٹھ کھڑے ہوئے اس نے آگے بڑھ کر
شال ان کے کندھوں پر پھیلائی۔

”جیتی رہو خوش رہو۔“ وہ اس لڑکی کی محبت اور
خلوص سے ہمیشہ ہی متاثر ہوتے تھے۔

”اپنی خالہ جان کو بھی بتاؤ نا اور پھر اچھی سی چائے
بنالینا۔ لیکن ٹھہرو شاید سعدون نے کھانا ابھی نہ کھایا
ہو۔“ اپنے ہر سوال کا خود ہی جواب دینا ان کی پرانی
عادت تھی اور مومنہ ان کی اس عادت سے بخوبی واقف

کال بیل تھی کہ ایک تو اتر سے بیج رہی تھی۔
بڈیوں میں اترتی بیج بستہ ٹھنڈ میں اس کے سوا کون تھا جو
گرم کمروں سے نکل کر گیٹ کھولنے کی کوشش کرتا۔
یہ کام دیگر بہت سے کاموں کی طرح اسے ہی کرنا تھا۔
گرم شال اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر اسے لگا تھا
جیسے اس نے سردی کو اپنے وجود میں سرایت کرنے
سے روک لیا ہے۔ لیکن ہال کمرے کا داخلی دروازہ
کھول کر اس نے جیسے ہی برآمدے میں قدم رکھا سرد
تھپیڑوں نے اس کا استقبال کیا تھا۔ پھر طویل و عریض

مکمل ناول

صحن عبور کرتے ہوئے اسے خود ہی اپنا وجود سن ہوتا
ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن کمال تھا وہ شخص جو اتنی
رات گئے ابھی تک کال بیل سے انگلی چپکائے کھڑا
تھا۔

”کون ہے؟“ رات کے ساڑھے گیارہ بجے وہ بلا
دھڑک گیٹ کھولنے کی جرات نہیں کر سکتی تھی۔

”میں ہوں سعدون۔“ لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔
ایک سیکنڈ کے بھی ہزارویں حصے میں اس نے سعدون
نام کا کوئی شخص یادداشت کے کسی کوئے کھد رے سے
ڈھونڈنا چاہا۔ لیکن ناکامی ہوئی۔

”اے چچا کو بتا دیجیے۔“ کچھ لمحوں کے توقف کے
بعد نووارد دوبارہ بولا غالباً ”وہ گیٹ نہ کھلنے پر اس کے
تذنب کو بھانپ گیا تھا۔“

اور اے چچا کا حوالہ ایسا تھا کہ مزید پس و پیش کا کوئی

وہ خالہ جان کو بتا کر بچن میں چلی آئی۔

ابھی آدھے گھنٹے پہلے ہی وہ بچن سمیٹ کر برتن دھو کر بلکہ خشک کر کے الماری میں رکھ کر فارغ ہوئی تھی۔ عام حالات میں تو گنتی کے چند برتن استعمال میں آتے تھے۔ گھر میں ہوتا ہی کون تھا۔ وہ خالہ جان اور خالو جان۔ لیکن کچھ خاص الٹا خاص دن وہ بھی ہوتے تھے جب سلمان بھائی کو سال چھ مہینے میں اپنے بوڑھے والدین کی یاد ستاتی تھی اور وہ اپنے قیمتی وقت میں سے دو چار دن نکال کر اس چھوٹے سے شہر میں واقع اپنے آبائی گھر کا رخ کر لیا کرتے تھے۔ یوں خالہ جان کا گھر آباد ہو جاتا۔ ان کے چہرے دکنے لگتے۔ اور ایسے میں نجانے کیوں وہ خود غرض سی بن جاتی اسے اپنا آپ اس خوش باش فیملی میں آج بھی اتنا ہی غیر اہم لگتا تھا جیسے آج سے چودہ برس قبل۔ جب وہ پہلی بار خالہ جان کی انگلی پکڑ کر اس گھر میں آئی تھی۔



خالہ جان اس کی سگی خالہ نہ تھیں بلکہ اس کی اماں کی خالہ تھیں بھانجی قسمت کے چکر میں آئی ہوئی تھی۔ شوہر کی کم تعلیم، معمولی تنخواہ اور سے ہر سال بچوں کی تعداد میں اضافہ۔ پانچویں بیٹی کی پیدائش پر خالہ جان گھر آئیں۔ اماں کا جی بھرا ہوا تھا۔ مل کر خوب روئیں۔ خالہ جان کو دکھ ہوا۔ اماں باپ کے گھر جو عیش اماں کو ملے ہوئے تھے خالہ ان سے بھی واقف تھیں اور پانچ بیٹیوں کی ماں ہونے کے ناتے ان کی تشویش اور پریشانیوں سے بھی آشنا۔ خود ان کے صرف دو بچے تھے۔ بیٹی کم عمری میں بیاہ دی تھی۔ بیٹے نے پسند کی شادی کی تھی اور اب لاہور میں مقیم تھا۔ خالہ خالو کو بہاولپور سے پیار تھا۔ پیار بھی کیسا خالو جان کو تو عشق تھا اپنے اس چھوٹے سے پرسکون شہر سے۔ وہ بیٹے کے ساتھ جانے پر راضی نہ ہوئے۔ خالہ نے اماں کے آنسو دیکھے تو انہیں خیال آیا اماں کا بوجھ کم کرنے اور اپنی تنہائی دور کرنے کا۔

مومنہ نو دس سال کی تھی۔ بہنوں میں دو سرا نمبر

تھا۔ ویسے تو اماں کی سب ہی بیٹیاں خوب صورت تھیں۔ لیکن مومنہ کا حسن آنکھیں خیرہ کر دینے والا تھا۔ شہابی رنگت۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، نازک سراپا۔ خالہ جان کو وہ ہمیشہ سے اچھی لگتی تھی۔ خالہ اسے اپنے ساتھ لے کر جانا چاہ رہی تھیں۔ اماں متذنب تھیں۔ اسے اپنے سے جدا کرنے کا سوچتیں تو۔ کالجہ کھٹنے لگتا۔ خالہ کے گھر جانے کی صورت میں اسے ملنے والی بہتر زندگی کا خیال آتا تو انہیں یہ مناسب لگتا۔ بہر حال وہ کمزور عورت تھیں اب اسے بھی ڈرتی تھیں اور ساس سے بھی خوفزدہ تھیں۔ لیکن انہوں نے ہو گئی۔ داوی کو پتا چلا تو فٹ راضی ہو گئیں۔ شاید وہ بھی پوتیوں کی طویل لائن سے گھبرا چکی تھیں جن کو کھلاتے آیا کی جوانی اور بیاہتے ان کا بڑھاپا گزرتا تھا۔ اب رنجیدہ ہوئے اب اسیدھے سادے تھے انہیں بیٹیوں سے محبت تھی اگرچہ اظہار کرنا نہیں آتا تھا۔ لیکن پھر داوی نے ہی انہیں راضی کیا۔ بقول اماں، اب اس دن بہت روئے تھے۔ شاید واقعی روئے بھی ہوں۔ اس نے کبھی اس بیان پر شک نہیں کیا تھا۔ اماں کی آنکھوں میں چمکتے آنسو اسے اہلہ آج بھی یاد تھے۔

غروت واقعی انسان سے وہ سب کچھ کروا لیتی ہے جو وہ نارمل حالات میں شاید کبھی نہ کر سکے۔ بہر حال خالہ جان کا ہاتھ پکڑے وہ خاموشی سے ان کے گھر آگئی وہ فطرتاً ہی کچھ کم گو تھی۔ اب کچھ اور ہو گئی۔ خالہ جان اس سے پیار کرتیں خالو جان بھی جان چھڑکتے۔ لیکن اس کا دل بے چین رہتا۔ اپنے سے بڑی شائے اس کی بہت دوستی تھی وہ یاد آتی چھوٹی زارا، ضویا یا آتیں مریم تو چند دن کی ہی تھیں اماں یاد آتیں اور اب بھی۔ لیکن وہ صابر بھی جلد ہی حالات سے سمجھوتا کر لیا اور نئی زندگی کی عادی ہو گئی۔

اماں اب بھی اپنی باقی اولادوں میں مگن ہو گئے۔ قدرت نے پانچ بیٹیوں کے بعد یکے بعد دیگرے دو بیٹے ان کی جھولی میں ڈال دیے تھے۔ ابابا کی نوکری بھی بہتر ہو گئی تھی۔ ابابا سے واپس لانا چاہتے تھے لیکن خالہ خالو

تھا۔ حامدون بھائی کا تیسرے نمبر کا بھائی جو بغرض تعلیم امریکہ میں مقیم تھا۔ سفینہ آیا اس کا ذکر اکثر کرتی رہتی تھیں۔ ویسے بھی سفینہ آیا کے سرور خالو جان کے بھائی تھے۔ اس حوالے سے بھی سب کا ذکر ہوتا رہتا تھا۔ شاید اسی لیے اس کا انداز شناسا لگ رہا تھا۔ لیکن سعدی سے سعدون تک کی شناخت کرنے میں اس کا ذہن ناکام رہا تھا۔

کھانا گرم کر کے ٹرے میں رکھے وہ ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔

”یہ مومنہ ہے۔“ سیدھی ساوی خالہ کو اکثر اس کے تفصیلی تعارف کے لیے الفاظ نہیں ملتے تھے اور وہ اپنے اس ادھورے تعارف سے لوگوں کے ذہنوں میں پیدا شدہ سوالات ان کے چہروں سے ہی پڑھ لیا کرتی تھی۔ اس دم اسے بہت کوفت ہوتی تھی جب سامنے والا اسے جاچتی نظروں سے دیکھ کر اس کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے کی کوشش کیا کرتا۔

لیکن سعدون نے ایسا کوئی رسالہ نہیں دیا تھا۔ ”جی میں جانتا ہوں اور ویسے ابھی گیٹ پر بھی ملاقات ہوئی تھی ان سے۔ کیسی ہیں آپ؟“ خالہ جان کو جواب دیتے ہوئے وہ اس سے مخاطب ہوا تھا۔

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے
بہنوں کیلئے خوبصورت ناول

خواب دریچے

سعدیہ امل کاشف

قیمت --- /- 150 روپے

مکتبہ امل کاشف

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37- اردو بازار گراہٹی۔

اس کے عادی ہو گئے تھے۔ خالہ نے ان کے مشکل وقت میں ان کا ساتھ دیا تھا۔ اب مومنہ کو واپس لانے کا فیصلہ ابا کو خود غرضی لگتا۔ سو وہ ان ہی کے پاس رہی۔ ایک ہی شہر میں ہونے کا فائدہ یہ تھا کہ وہ گھر آتی جاتی رہتی تھی۔ خالہ جان نے اس میں اور اپنی سگی اولاد میں کوئی فرق نہیں سمجھا تھا۔ اسے اپنے بچوں کی طرح پرہایا۔ اگرچہ سلمان بھائی اور نعیمة بھائی ان کی اس خدا ترسی پر ناک بھوں چڑھایا کرتے تھے۔ ایک طرح سے انہیں اس کا وجود غنیمت لگتا تھا کہ ماں باپ کی طرف سے بے فکری تھی لیکن ماں باپ کی طرف سے اس پر کی گئی بے جا عنایات انہیں کھلتی تھیں۔

سفینہ آیا البتہ اچھی تھیں خالہ اور خالو کا عکس۔ وہ اس سے بہت پیار کرتیں۔ احسان مند ہوتیں کہ وہ ان کے ماں باپ کو برہائے میں سنبھال رہی ہے۔ ان ہی خود غرض و بے غرض رشتوں میں پنڈولم کی طرح جھولتی وہ زندگی گزار رہی تھی۔

اور آج آگئے تھے سعدون صاحب۔ جو نہ جانے کون تھے لیکن ساتھ بڑا سا سفری بیگ اور بریف کیس تھا جو ان کے طویل قیام کی نشاندہی کر رہا تھا۔ مومنہ کا دل گھبرا گیا۔ سلمان بھائی جن کے بچے بھی اب بڑے ہو رہے تھے اس سے لاکھ غیریت برتتے لیکن تھے تو اس کے ماموں۔ اگرچہ اس نے شروع سے انہیں بھائی ہی کہا تھا۔ لیکن اب یہ سعدون صاحب۔ کھانا گرم کرتے ہوئے وہ ان ہی سوچوں میں گم رہی۔ خالہ جان کھانا ڈرائنگ روم میں ہی لانے کا کہنے آئی تھیں۔

”خالہ کون ہیں یہ؟“ اس نے پوچھا تھا۔

”ارے تم نے نہیں پہچانا۔“ وہ جاتے جاتے رک گئیں۔ مومنہ شرمندہ ہو گئی جیسے سعدون کو پہچانا بھی اس کے فرائض میں شامل ہو۔

”سعدی سے سفینہ کا دیور“ جو پہلے امریکہ میں تھا۔ انہوں نے تفصیلی تعارف کروایا تو اس کے ذہن کی گرہ بھی کھل گئی۔ سعدی کا نام اس گھر میں نیا نہیں

ہلکا پھلکا سا خوش گوار لہجہ تھا نہ کوئی جانچی نظر نہ پرکھتی نگاہ حامدون بھائی کے بھائی کو ایسا ہی ہوتا چاہیے تھا۔ اس نے بھی گردن ہلا کر جواب دے دیا۔

”مومنہ بیٹا سعدی کے لیے کمرہ سیٹ کرو۔“ خالہ جان نے کہا تو وہ باہر آگئی۔ خالہ جان خالو اور اس کے اپنے کمرے کے علاوہ بھی تین چار کمرے بالکل تیار رہتے تھے جو اس وقت سلمان بھائی اور ان کی فیملی کے زیر استعمال تھے۔ قدیم طرز کا بنا ہوا یہ گھر بہت وسیع تھا۔ اتنا وسیع کہ عام دنوں میں تو مومنہ کو خوف سا محسوس ہوتا تھا۔ خالہ جان کے کمرے کے بالکل برابر دائیں جانب اس کا اپنا کمرہ تھا۔ جب کہ بائیں جانب والا چھوٹا سا کمرہ ہی فی الوقت اسے سعدون کے لیے مناسب لگایہ سنگل بیڈ والا چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جسے خالو جان اسٹڈی کے طور پر بھی استعمال کرتے تھے۔ کیونکہ اس میں موجود دو باریک گیرالماری ان کی ہمہ قسم کی کتابوں سے بھری ہوئی تھی۔ ایک کونے میں رائٹنگ ٹیبل کبھی کبھار خالو جان اور زیادہ تر اس کے اپنے استعمال میں رہتی تھی۔ بیڈ کے قریب ایریز پیسڈ دھری تھی۔ شاہ بلوط کی لکڑی کی یہ ایریز چیئر بھی اس قدیم گھر کی طرح یا پھر شاید اس گھر کے قدیم مکینوں کی طرح قدیم تھی۔

سوچوں کی ادھیڑ بن سے نکلتے ہوئے اس نے کمرے پر ایک تنقیدی نظر ڈالی۔ کمرہ باقی سارے گھر کی طرح ٹھانچا لٹکا رہا تھا۔ مارتا، نعیمہ بھابھی کی تنقیدی نظروں سے بچنے کے لیے وہ ان لوگوں کی آمد سے پیشتر پورے گھر کی تفصیلی صفائی کر لیا کرتی تھی۔ خالہ جان اگرچہ روکتی رہ جاتیں۔

”سارا گھر تو صاف ہے تمہیں کون سے کونے کھدروں میں مٹی دکھائی دے رہی ہے۔“ وہ صحیح ہی کہتی تھیں لیکن اس معاملے میں مومنہ کی تسلی اس وقت تک نہیں ہوتی تھی جب تک سارا گھر چھاڑ کر دھو کر پورے گھر کے پردے، بیڈ کورز، صوفوں اور کسٹمز کے کور بدل ڈالتی۔

اس وقت بھی اس نے احتیاطاً ”بیڈ شیٹ بدلی۔“

رائٹنگ ٹیبل پر دھری کتابوں کی ترتیب درست کی۔ کتابوں اور فریچر پر سے ناپیدہ گرد جھاڑ کر اسٹور روم میں سے لحاف لاکر بیڈ پر سلپتے سے رکھا۔ سلیپر کی جوڑی بیڈ کے پاس رکھی۔ پھر پکین کا رخ کیا۔ شیٹ کے نفیس سے جگ میں پانی ڈال کر گلاس سمیت ڈسٹپ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ آئی۔

”کیا خبر انہیں بھی سلمان بھائی اور نعیمہ بھابھی کی طرح منٹل وائر ہی ”سوٹ“ کرنا ہو۔“ کچھ سوچ کر اس نے فریج سے منٹل وائر کی ایک سیل بند بوتل بھی نکال لی۔ سلمان بھائی کی نازک مزاج فیملی کی میزبانی کرتے کرتے اب وہ ان چھوٹی موٹی احتیاطوں کی عادی ہو گئی تھی۔ اور پھر اس کی کوشش تھی کہ سعدون کے کمرے میں جانے کے بعد اسے کسی بھی کام سے وہاں کا رخ نہ کرنا پڑے۔

ان چھوٹے موٹے کاموں سے فراغت کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ وہ کھانا کھا چکا تھا اب خالو جان سے باتیں کرنے میں مشغول تھا۔ کمرہ سیٹ ہونے کی اطلاع دے کر وہ برتن سمیٹ کر کچن میں چلی آئی۔ رات اچھی خاصی ہو گئی تھی۔ آج کافی مصروف دن گزرا تھا۔ اسے اچھی خاصی تھکاوٹ ہو رہی تھی۔ جلد از جلد برتن دھو کر اس نے سنک دھویا، شیشہ صاف کر کے وہ نطفے کو تھی کہ سعدون وہاں آیا۔

”آپ ابھی تک نہیں ہیں۔“ وہ دروازے میں ہی ٹھٹک گیا۔

”جی؟“ اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ”وہ اب کچھولی میں چائے بنانے آیا تھا۔ اجنبی جگہ پر مجھے اتنی جلدی تیند نہیں آتی۔ سوچا چائے کی عیاشی ہی کر لی جائے۔“

”آپ چلیے میں بنا کر لے آتی ہوں۔“ وہ یہی کہہ سکتی تھی۔

”نہیں کافی رات ہو گئی ہے۔ آپ مجھے مطلوبہ سامان نکال دیں۔ چائے میں خود بنالوں گا“ میں عادی ہوں ان کاموں کا۔“ وہ ملے پھلے انداز میں کہہ رہا تھا لیکن مومنہ کا دل نہیں مانا کہ وہ خود چائے بنائے لے لے

لحاظ باقی تھا اس میں اور چائے بنانا کون سا مشکل کام تھا۔ اکڑتی کمر کو قطعی نظر انداز کر کے اس نے جلدی سے چائے بنائی۔ وہ کرسی گھسیٹ کر وہیں بیٹھ گیا تھا چائے اس کے سامنے رکھ کر اس کے رکنے کا جواز نہیں تھا، کمرے میں آکر اسے صرف اتنا یاد تھا کہ وہ بستر پر لیٹی تھی کب آنکھ۔ لگی یہ اسے معلوم نہیں تھا۔ جب جسم تھکن سے چور ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ سارا دن ایک ٹانگ پر گزرتا تھا۔ سلمان بھائی، نعیمہ بھابھی اور ان کے بچوں کی فرمائشی فہرست کافی طویل ہوتی تھی اسے پورا کرتے کرتے اس کا جوڑ جوڑ دکھ جاتا تھا۔ چلو اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی وہ لوگ اگر خوش ہو جاتے تو وہ بھی اپنی تھکن کو خاطر میں نہ لاتی۔ لیکن نعیمہ بھابھی کے چہرے کے زاویے اور پیشانی کی تیوریاں اسے مزید تھکا دالتیں۔ دل چاہتا وہ واپس چلی جائے۔ اپنے گھر جہاں اسے اپنے وجود پر شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ پھر خالہ جان اور خالو کے چہرے اس کے سامنے آ جاتے۔ بس یہیں وہ خود کو مجبور پاتی تھی۔

رات کو بے شک وہ بہت دیر سے سوئی تھی لیکن صبح اپنے معمول کے مطابق اٹھ گئی۔ نماز اور قرآن پاک پڑھ کر اس نے چائے بنائی۔ خالو جان اور خالہ دونوں صبح نماز پڑھ کر چائے پیتے تھے۔ گھر کے باقی مکین اگرچہ سو رہے تھے لیکن اس کے دن کا آغاز ہو چکا تھا۔ یہ اچھا ہی تھا کہ وہ باقی لوگوں کے اٹھنے سے پہلے ہی ضروری کام نبٹا لیتی تھی۔ کیونکہ بعد میں خوب افراتفری مچتی تھی۔ ہر شخص کی الگ فرمائش ہوتی جس کو پورا کرنے میں تاخیر خارج از امکان تھا۔

اس وقت بھی اس نے آٹا گوندھا۔ آلیٹ کے لیے سلمان تیار کیا۔ آلیٹ بھی دو تین طرح کا بنتا تھا۔ سلمان بھائی نے رات کو ہی شاہی ٹکڑوں کی فرمائش کر دی تھی۔ ان کے شاہی ٹکڑوں سے حمزہ کونہ جانے کیسے آلو بھرے پرائے یاد آ گئے تھے۔ حالانکہ شاہی ٹکڑوں سے آلو بھرے پرائے کا یاد آنا کچھ عجیب سا ہی تھا۔ بہر حال چونکہ اب اسے یاد آ ہی گئے تو بننے بھی لازمی تھے۔ آلو ابال کر بھرنا بنایا، شاہی ٹکڑے تیار کر

☆ ایک
عمر
سلا
☆ حال
☆ آتش
☆ را
☆
☆ قلم
☆
☆
☆
☆
☆
☆

تاز

کے فریق میں رکھے تو سکون کا سانس آیا۔

شکر ہے ابھی تیل کوئی نہیں اٹھا تھا۔ اب وہ کچن کی طرف سے فارغ تھی۔ کیونکہ ہر شخص کا ناشتا اس کے اٹھنے پر ہی بنایا جاتا تھا۔ اگرچہ یہ مرحلہ بھی طویل تر تھا لیکن فی الوقت اس کے پاس کچھ فراغت تھی۔ وہ باہر صحن میں نکل آئی۔ بڑا سا سرخ اینٹوں والا طویل و عریض صحن سامنے تھا جہاں کل سارا دن خوب کرکٹ کھیلی گئی تھی نتیجتاً "صحن اتنا صاف نہیں تھا جتنا کہ ہوتا تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے پائپ اٹھالیا۔ بمشکل پندرہ منٹ لگیں گے۔ اس نے تل پورا کھول کر پائپے چڑھا لیے۔ سردی کی شدت نے اسے اس فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ اس ٹھنڈے دینے والی سردی سے قطعی بے نیاز اپنا کام کیے گئی۔ اور واقعی چکنی اینٹوں والے اس صحن کا نکاس اتنا اچھا تھا کہ وہ بہت جلد اس کام سے فارغ ہو گئی۔

سردی کی شدت سے اسے البتہ اپنے ہاتھ اور پاؤں سن ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ صحن کے اطراف میں بنی گیارہویں میں موجود سرسبز بوڑے بھی دھل کر نکھر گئے تھے۔ وہ اطمینان بھری نظروں سے دھلے دھلائے بلکہ نکھرے نکھرے پودوں پر ڈالتی پائپ لپیٹ کر بیٹھی تو چونک گئی۔ سعدون برآمدے میں کھڑا قدرے حیرت سے اس کی اس کارگزاری کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے سٹپٹا کر پائپے نیچے کیے اور دوڑا کچھ اور پھیلا لیا۔

"آپ کو سردی نہیں لگتی۔" سعدون کے لہجے میں حیرت تھی۔ اس نے بے ساختہ نفی میں گردن ہلادی۔ اگرچہ چھوٹی سی گلابی ناک جو اس وقت سردی سے سرخ ہو چلی تھی اس کے دعوے کی تردید کر رہی تھی۔ "پھر بھی آپ کو خیال کرنا چاہیے۔ اگر یہ سب کچھ کرنا ہی تھا تو دھوپ نکلنے کا انتظار ہی کر لیتیں۔"

"آپ ناشتا کریں گے؟" اپنے اوپر سے اس کی توجہ ہٹانے کو وہ یہی پوچھ سکی "اب اسے اپنی مصروف روٹین کیسے بتانی۔"

"ہاں لیکن سلمان بھائی اٹھ جائیں تو اکٹھے ہی کر لیں گے۔"

وہ سر ہلاتی خالہ جان کے کمرے میں چلی آئی کہ ان کے بستر میں گھس کر ہاتھ پاؤں گرم کر لے گی۔ تھوڑی ہی دیر میں سعدون بھی وہیں آگیا۔ "ارے تم اٹھ گئے۔" خالو جان کو اسے دیکھ کر حیرانی ہوئی۔

"بالکل اٹھ گیا۔ آخر آپ کا جیتجا ہوں آپ کی طرح سحر خیز اور اب تو دن نکلے کافی دیر ہو چکی ہے۔" وہ مسکرایا۔

"چائے پیو گے؟" خالہ نے اس سے پوچھا۔ "نہیں موڈ نہیں۔"

"موڈ نہیں یا تکلف کر رہے ہو۔ ارے میرے بھتیجے ہو کر چائے سے انکار۔ یا یقیناً نہیں آتا۔" خالو نے کہا تو وہ ہنس دیا۔ اس کی ہنسی میں نہ اقرار تھا نہ انکار بس سادہ سی ہنسی تھی۔ مومنہ کھڑی ہو گئی۔

"میں لاتی ہوں۔" چائے تو تمہاراں میں بنی ہوئی تھی۔ اس نے جار میں سے بسکٹ بھی نکال لیے۔ بڑے اٹھائے وہ کمرے میں داخل ہونے کو اسی جب نعیمہ بھا بھی آنکھیں مسکتی ہوئی کمرے سے نکلیں۔ "رات کو کچن کی دونوں لائٹس آن تھیں۔" مومنہ کی شکل دیکھتے ہی یاد آیا تھا۔ "میں رات کو پانی لینے آئی تھی پھر میں نے بند کیں۔ کچھ خیال کیا کرو۔ میں بھی کہوں بجلی کابل کیوں اتنا زیادہ آتا ہے جب کہ گھر میں صرف تین افراد ہیں۔" نعیمہ بھا بھی شروع ہو گئی تھیں۔ وہ خفیف ہو گئی یہ سوچ کر کہ ساری آوازیں اندر جارہی ہوں گی۔

نعیمہ بھا بھی کو نمبر ہٹانے کا شوق تھا۔ دو سروں کی معمولی سی غلطی بھی ان کی نظروں سے کیسے بچ پاتی حالانکہ غلطی مومنہ کی تھی بھی نہیں وہ سعدون کو چائے دے کر چلی گئی تھی اور سعدون بھلا کیا لائٹس آف کرتا۔ اس وقت انہوں نے آواز کا ایوم بھی جان بوجھ کر بلند رکھا تھا کہ خالہ جان کو سنانا مقصود تھا جنہوں نے کل مومنہ کی ذمہ دار طبیعت کی خوب ہی تعریف کی تھی بھا بھی کی کزن کے سامنے جو کل بھا بھی سے ملنے

آئی تھیں۔

بھابھی غالباً اپنی ساس کے منہ سے اپنے لیے توصیفی کلمات سنا چاہ رہی تھیں لیکن وہ مومنہ کا ہی ذکر کیے لگیں۔ نعیمہ بھابھی کو اس وقت سے ہی غصہ آ رہا تھا۔ لہذا اب اس معمولی سی بات پر ان کے اتنے ناگوار لمحے کا سبب یہ ہی بات تھی۔ وہ خفت زدہ چہرے کے ساتھ کمرے میں آ گئی۔ کمرے میں موجود مینوں نفوس بھی نعیمہ بھابھی کی بات سن چکے تھے۔ نعیمہ بھابھی بھی خلاف توقع وہیں چلی آئیں۔ شاید بجلی کے بردھتے ہوئے بلوں کے پیش نظر بچیت کے چند سنہری اصول پیش کرنا چاہ رہی ہوں گی۔ لیکن کمرے میں قدم رکھتے ہی ٹھنک گئیں۔ سعدون کو انہوں نے بھی نہیں پہچانا تھا لیکن تعارف کروانے پر انہیں اپنے فرسٹ امپریشن کی فکر ہوئی اور اپنی جلد بازی پر غصہ آیا۔ بہر حال خیر مقدمی مسکراہٹ چہرے پر سجائے وہ وہیں بیٹھ گئیں۔ مومنہ خاموشی سے منظر سے ہٹ گئی۔ سعدون نے اس کا خفت سے سرخ پڑتا چہرہ دیکھ لیا تھا اسے بھی یاد آ گیا کہ یہ غلطی انجامانے میں اس سے سرزد ہوئی تھی لیکن کھاتے میں مومنہ کے لکھ دی گئی۔ پہلی بار اس نے ذرا غور سے مومنہ کو دیکھا نہ صرف اس وقت بلکہ بعد میں بھی سارا دن پھرتی سے کام کرتے ہوئے لیکن چہرے پر سنجیدگی کی گہری چھاپ لیے۔

دس بجے اہل خانہ کے سو کر اٹھنے کے بعد ناشتے کا دور شروع ہوا دوبارہ بج گئے۔ ناشتے کے فوراً بعد دوپہر کے کھانے کی تیاری۔ درمیان میں لاتعداد بار چائے کافی کے دور چلے۔ اس نے نہیں دیکھا کہ وہ کہیں آرام سے ٹک کر بیٹھی ہو۔

سلمان بھائی کا موڈ آج بہت خوش گوار تھا۔ سعدون ان کا فرسٹ کرن تھا۔ وہ اور سعدون ناشتے کے بعد مل کر بیٹھے تو کتنا ہی ٹائم گزر گیا تاہم کرتے بچوں کو ان کی باتوں سے دلچسپی نہیں تھی وہ باہر نکل گئے کرکٹ کھیلنے خالو جان بھی آج چمک رہے تھے۔ مومنہ نے نوٹ کیا تھا کہ اتنا خوش تو وہ سلمان بھائی کے آنے پر بھی نہیں ہوتے جتنا خوش سعدون کو دیکھ کر ہو

رہے تھے۔ شاید اس لیے کہ سلمان بھائی کی آمد اکثر پشیمانی نہ کسی غرض سے ہوتی تھی۔ خالو صاحب جائیداد تھے اور سلمان بھائی یہ جائیداد ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتے تھے اسی لیے سال چھ ماہ بعد حاضری لگوا دیا کرتے تھے۔ رسمی طور پر خالو اور خالو جان کو ہر بار اپنے ساتھ لاہور چلنے کی آفر بھی کر دیتے تھے۔ سلمان بھائی کو دیکھتے ہوئے مومنہ اکثر سوچا کرتی کہ خالو جان جیسے سادہ اور بے غرض شخص کے ہاں سلمان بھائی جیسا کیلکولیٹڈ اور زمانے کو دیکھ کر چلنے والا شخص کہاں سے آ گیا۔ شاید سلمان بھائی شروع سے ایسے نہیں تھے۔ نعیمہ بھابھی کے ساتھ نے آہستہ آہستہ ان پر اپنا رنگ چڑھانا شروع کر دیا اور اب تو وہ دنیا کو دیکھتے ہی غالباً ”نعیمہ بھابھی کی آنکھوں سے تھے۔ یہ مومنہ کی اپنی رائے تھی اس کا اپنا فلسفہ جس سے کسی دوسرے کا متفق ہونا ضروری نہیں تھا۔

”کہاں گم ہیں آپ؟“ کسی نے آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔

وہ اتنے زور سے چونکی تو ایک لمحے کو تو سعدون بھی شرمندہ ہو گیا۔

”آئی ایم سوری“ میں یہاں سے گزر رہا تھا آپ کو مومی مجھے کی طرح یہاں ایستادہ دیکھ کر سوچا آپ کو کیاں دھیان کی دنیا سے واپس لے آؤں۔ بانی داوے۔ دنیا میں ہوتے ہوئے دنیا سے غافل رہنے کی عادت آپ نے سفینہ بھابھی سے مستعار لی ہے یا انہوں نے آپ سے۔“

اس کا شگفتہ لمحہ شرارت لیے ہوئے تھے۔ مومنہ کو بھی سفینہ آیا یاد آ گئیں۔ خالو جان بھی یہی کہتے تھے کہ سفینہ اور مومنہ میں بہت سی غادات مشترک ہیں۔ اس کے ہونٹوں کی تراش میں ایک لمحے کے لیے مسکراہٹ چمکی تھی۔

”چلو یار نکلتے ہیں پھر۔“ سلمان بھائی رستہ واضح باندھتے کمرے سے باہر آئے تھے۔

”ہاں چلتے ہیں۔“ سعدون بھی ان کی طرف متوجہ ہوا۔

”مومنہ میرا سیل فون لانا اندر سے۔“ سلمان بھائی کو ایک دم یاد آیا۔ لیکن مومنہ کے حرکت میں آنے سے پہلے ہی نعیمہ بھابھی کمرے سے نکلی تھیں ان کا موبائل اٹھائے۔

”یہ لیں۔“ انہوں نے مومنہ کو قدرے حیرت سے وہاں کھڑا دیکھ کر موبائل سلمان کی طرف بڑھایا۔

”سروس لا جواب ہے۔“ سعدون نے انہیں چھیڑا۔

سلمان بھائی قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔ نعیمہ بھابھی اتنے پر سوچ انداز میں ان لوگوں کو دیکھ رہی تھیں کہ بس ریٹا ہی مسکرا سکیں۔ مومنہ خاموشی سے اندر چلی گئی تھی۔ اے نعیمہ بھابھی کی سوچتی کھوجتی نظروں کی عادت ہو گئی تھی۔ وہ بتا نہیں کیوں اس کی ذات کی طرف سے اتنے تحفظات کا شکار رہتی تھیں۔

”بتا نہیں کب جائیں گے سلمان بھائی۔“ بچن میں بھابھی کی پسند کا چکن پلاؤ بناتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔ پھر اگلے ہی لمحے خود ہی شرمندہ بھی ہو گئی۔ یہ گھر تھا سلمان بھائی کا چاہے ان کا قیام جتنے دن پر محیط ہو جائے۔

”کیا میں کام کی زیادتی سے گھبرا رہی ہوں۔“ اس نے خود سے سوال کیا تھا مگر جواب نفی میں ملا جب سے بڑھائی کا سلسلہ ختم ہوا تھا فراغت ہی فراغت تھی۔ تین افراد کا کام ہی کتنا ہوتا تھا۔ سارا دن وہ کام سے کام نکال کر خود کو مصروف رکھتی تھی مگر وہ ایسی ہی تنہائیوں کی عادی تھی۔ اسے اس گھر میں پہلے سنانے اور نامہ شبی سے انسیت سی ہو گئی تھی۔ پھر بھی طبیعت پر کبھی کبھار اسی چھا جاتی تو خالہ جان خود ہی خیال کر کے اسے اس کے گھر بھیج دیتیں۔ مگر اب وہ خود کو وہاں بھی مس فٹ تصور کرتی تھی۔

بہن بھائی اگرچہ اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ مگر ان سب کا آپس میں بے تکلفی پر مبنی رشتہ ہمیشہ مذاق، گلے شکوے، لڑائی جھگڑے اسے لگتا تھا کہ اب اس گھر میں اس کا وجود بالکل غیر ضروری ہے۔ چند ہی دن رہ کر وہ واپس آجاتی کہ خالہ خالو اکیلے ہوں گے۔ یہ

خیال اسے مزید رکھنے نہ دیتا۔ جس طرح چپ چاپ وہ جاتی تھی اسی طرح خاموشی سے واپس پلٹ آتی۔ کبھی کبھی اسے لگتا تھا کہ اماں ایانے اس کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ حالانکہ اس کے گھر والوں کے خیال میں وہ ان سب میں سب سے زیادہ خوش قسمت تھی۔

”تم کتنی لگی ہو آئی۔ ایمان سے میرا دل کرتا ہے تمہاری جگہ میں خالہ کے ہاں رہ رہی ہوتی۔“ اس سے چھوٹی زارا اس کے وہاں قیام کے دوران کوئی دس دفعہ یہ بات کرتی۔

”ہمارا گھر تو لگتا ہے جمعہ بازار ہے۔ کتنا شور کتنا ہنگامہ اور وہاں اتنا ہی سکون۔ کیا مزے کی زندگی ہے بالکل افسانوی۔ ہے نا آئی۔“ وہ زارا کی بات کے جواب میں نہ تردید کرتی نہ تصدیق بس مسکرا دیتی۔

”کتنی اچھی اسکولنگ ہوئی ہے نا تمہاری آئی۔ اس روز تم بیو کو انگلش پڑھا رہی تھیں اور میں سن سن کر حیران ہو رہی تھی کہ تمہارا انگلش کالجی ہم سب سے کتنا مختلف ہے۔ ہم پڑھے سرکاری اسکول میں اور تم شہر کے بہترین انگلش میڈیم اسکول میں کیا فرفر انگلش اخبار پڑھتی ہو تم۔ تمہاری دیکھا دیکھی میں نے بھی اتوار کو انگلش اخبار منگوایا تھا۔ ایک ہفتہ لگا تھا پورا اخبار پڑھنے میں وہ بھی ڈکشنری کی مدد سے۔“

زارا کے کہنے پر وہ دوبارہ مسکرا دی۔ ابھی تو زارا نے اسے خالو جان کی اسٹڈی میں موجود ضخیم انگریزی ناولوں میں غرق ہوئے نہ دیکھا تھا۔

”لیکن آئی پر امت ماننا۔ تمہیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تم اتنی پڑھی لکھی ہو۔“

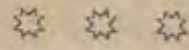
”کتنی پڑھی لکھی زارا۔ آج کل گریجویٹ کو کون پڑھا لکھا کہتا ہے۔“ وہ ہولے سے ہنسی۔

”بھائی میرا مطلب ہے جس طرح کی لڑکیوں کے ساتھ تم نے پڑھا ہے۔ ان کی ہلکی سی چھاپ بھی تمہاری شخصیت پر نہیں لگی۔ تم تو ویسی لگتی ہو انیس سو ساٹھ کا ماڈل۔“

”زارا! بڑی بہن ہے تیری۔ اماں اگر منظم سن رہی ہو میں تو اسے ضرور ٹوک دیتیں۔“

”کہنے دیں اماں، صبح تو کہہ رہی ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے اس کی سائیڈ لیتی۔

”زارا آئی! ہم کھیل رہے ہیں جلدی سے آجائیں۔“ باہر سے بیوہ آواز دے کر زارا کو بلا لیتا اور ذرا دیر میں زارا خود اس ہنگامے کا سرگرم رکن بن چکی ہوتی جس سے بچنے کو وہ خالہ کے گھر کی آرزو کرتی تھی اور اب کتنے دن ہو گئے تھے گھر گئے ہوئے شاید دو ماہ یا پھر اس سے بھی زیادہ اس نے اندازہ لگانا چاہا۔



”تم اپنے آپ کو بلکان کیوں کرتی ہو بیٹا۔ نعیمہ کو تو صرف زبان ہلانا آتی ہے۔ دکھاوے کو بھی ہاتھ نہیں بٹاتی، فرمائش ایک سے بڑھ کر ایک میں بھیجتی ہوں اسے کچن میں۔“ خالہ جان کچن میں آئیں تو اسے اکیلا کام میں جتا دیکھ کر انہیں اکلوتی ہو پر ٹھیک ٹھاک غصہ آگیا۔

”ارے نہیں خالہ جان، سب کام ہو گیا ہے۔ پلاؤ کو دم پر لگا دیا ہے۔ رات سا سلا د بھی بنا چکی ہوں، ٹرا آفل تو صبح ہی بنا کر فریج میں رکھ دیا تھا۔ آپ سلمان بھائی اور بچوں کو بلا میں میں میز لگاتی ہوں۔“

”سلمان بچوں کو لے کر مارکیٹ تک گیا ہے اور میز نعیمہ خود لگائے گی تم نکلاؤ کچن سے۔“ خالہ جان اسے خفگی سے کہتے ہوئے کچن سے نکلی تھیں وہ گردن جھٹک کر مسکرا دی۔ وال کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے دم کا ٹائم نوٹ کیا پھر چولہے کی آچ مزید دھیمی کرتے ہوئے خود بھی باہر نکل گئی۔ ہال کمرے سے سعدون کی آواز آرہی تھی۔ جانے کس سے باتیں کر رہا تھا۔

”اچھا دیکھتا ہوں۔ ذرا دیر پہلے تو کچن میں تھیں۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ اتنی مصروف رہتی ہیں کہ ان سے بات کرنے سے پہلے باقاعدہ ٹائم لینے کو دل کرتا ہے۔“ سعدون ہنستے ہوئے کسی سے مخاطب تھا۔

”ایک منٹ رکیے، مومنہ پلینز۔“ وہ ہال کمرے سے گزر رہی تھی کہ سعدون کی نظر اس پہ جا پڑی۔ وہ ٹھٹک کر رک گئی۔

”یہ لیجیے خود ہی آگئی ہیں۔“ وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ مومنہ نے اچھٹے سے ان فقروں کا مفہوم سمجھنا چاہا۔ ذرا دیر پہلے تو کچن میں وہی تھی مگر سعدون یہ اطلاع کس کو دے رہا تھا اور کس انداز میں۔

”بھابھی ہیں آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہیں۔“ موبائل کان سے ہٹا کر سعدون نے اس کی طرف بدھایا۔

”سفینہ آیا۔“ اس نے خوش گوار حیرت میں گھر کر موبائل اس کے ہاتھ سے لیا۔ کتنے دنوں سے بات نہیں ہو پائی تھی ان سے۔

”السلام علیکم! آپ کیسی ہیں آپ؟“ اس نے دھیسے لہجے میں بات شروع کی تھی۔

”وعلیکم السلام۔ کیسی ہو گریا؟“ سفینہ آپا کا لہجہ ہمیشہ کی طرح محبتوں سے چور تھا۔

”الحمد للہ۔ بالکل ٹھیک ٹھاک۔“

”وہ تو مجھے پتا ہے کہ کتنی ٹھیک ٹھاک ہو تم۔ سارا سارا دن کچن میں ہی گزار رہی ہونا آج کل۔“ سفینہ آپا کو پتا تھا کہ سلمان بھائی کی آمد کے بعد اس کی روٹین کیا ہوتی ہے۔ اسی لیے جتاتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں آپا ایسی تو کوئی بات نہیں، وہ دھیسے لہجے میں یہی کہہ سکی۔ سفینہ آپا کی عادت تھی کہ وہ بات بہت تفصیل سے کرتی تھیں اور اب یوں سعدون کے سامنے ان سے بے تکلفی سے باتیں کرنا اسے کچھ الجھن سی ہو رہی تھی۔ موبائل بھی سعدون کا ہی تھا یوں باہر جا کر بات کرنا بھی کچھ اچھا نہ لگتا۔ لیکن سفینہ آپا کی مزے دار باتوں میں محو ہو کر وہ سب کچھ بھول گئی یہاں تک کہ پاس بیٹھے سعدون کو بھی۔ ان کی کسی بات پر بے ساختگی سے ہنستے ہوئے اس کی نظریں سعدون سے ٹکرائی تھیں جو نہایت دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ جھینپ گئی۔

”آپا اب بس بھی کریں۔ حلدون بھائی کا کتنا خرچ کروائیں گی۔ پندرہ منٹ ہو گئے ہیں بات کرتے ہوئے۔“ اس نے خوش گوار لہجے میں انہیں وقت کا احساس دلانا چاہا۔

”فون میں نے تھوڑا ہی کیا ہے۔ سعدی کی کال آئی تھی جب ہی تو اتنے مزے سے بات کر رہی ہوں۔“ انہوں نے انکشاف کیا تو وہ سٹپٹ گئی۔

”آپ بھی آیا حد کرتی ہیں۔ اچھا اب اللہ حافظ۔“ اس نے فوراً ”سے پیشتر گفتگو کا سلسلہ ختم کرنا چاہا۔“ ”آپ ہنسی رہا کریں۔ ہنسی ہوئی اچھی لگتی ہیں۔“ وہ موبائل سعدون کو تھما کر پلٹ رہی تھی جب سعدون نے اسے مخاطب کیا تھا۔ ایک لمحہ کورک کر اس نے سعدون کا چہرہ جانچا تھا۔ لیکن اس کا انداز ہمیشہ کی طرح سادہ ہی تھا۔ اپنا فقرہ مکمل کرنے کے بعد وہ ہاتھ میں تھامے میگزین کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ وہ بھی سر جھٹکتے ہوئے وہاں سے چلی آئی۔

”آج ہم سیر کے لیے چل رہے ہیں۔“ سعدون نے کھانے کی میز پر اعلان کیا تھا۔

”کہاں؟“ بچے پر جوش ہو گئے۔

”کیس بھی بس سب لوگ تیار ہو جائیں۔“ سعدون نے الٹی میٹم دیا۔

”چچا جان آپ اور چچی بھی ساتھ چلیں گے۔“ اس نے حتمی انداز میں انہیں مخاطب کیا۔

”ارے بیٹا۔ ہماری پڈیوں میں انتادام کہاں اس عمر میں یہ سیریں وغیرہ لٹا کٹے پڑ جاتی ہیں۔ کئی روز تک جسم احتجاج کرتا ہے۔“ خالوجان ہنسنے لگے۔

”ہم نے پیدل تو نہیں جانا۔ بس آپ تیاری کریں۔ دیکھیں تو موسم کتنا خوش گوار ہے۔ آپ بالکل بھی نہیں تھکیں گے۔ آزمائش شرط ہے۔“ اس نے ڈھیروں دلیلوں کے ساتھ انہیں راضی کر ہی لیا۔

سب ہی پر جوش ہو گئے تھے سو جیسے تیہے کھانا کھایا اور تیار ہونے چل دیے۔ صرف وہی تھی جو بڑے اطمینان سے برتن سمیٹ کر ”میز صاف کر کے“ کچن میں جا پہنچی۔

”جتنی دیر میں یہ لوگ نکلیں گے میں برتن دھو کر کچن کی صفائی کر لوں گی اور ان کے جانے کے بعد مشین لگالوں گی۔ کافی کپڑے اکٹھے ہو رہے ہیں۔ گھر میں کوئی نہیں ہو گا تو سہولت سے کام ہو جائے گا۔“

وہ اطمینان سے برتن دھونے لگی اور حقیقت بھی یہی تھی۔ اپنا کام چھوڑ کر چھوٹے موٹے کاموں کے لیے اسے اپنی بھانگ دوڑ کرنا پڑتی تھی کہ دو گھنٹوں کا کام چار گھنٹے لے لیتا تھا۔

”کیا کر رہی ہیں آپ؟“ وہ اپنے خیالوں میں تھی جب سعدون کی حیرت زدہ آواز اس کے عقب سے ابھری۔ وہ بری طرح چونکی تھی۔ کپ اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے پچا۔

”برتن دھو رہی ہوں۔“ اس نے نا سمجھی کے انداز میں اسے دیکھا۔

”وہ تو مجھے بھی نظر آ رہا ہے لیکن کیوں دھو رہی ہیں؟“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ تیار کیوں نہیں ہو رہیں۔ دیر ہو رہی ہے۔“

”میں نے تیار نہیں ہونا۔“

”مانا کہ محترمہ آپ سادگی میں بھی بہت حسین لگتی ہیں لیکن کہیں جانے سے پہلے کپڑے بدل کر بالوں میں لٹکاسی کر لیا جائے تو کوئی خاص حرج بھی نہیں۔“ اس کا انداز طنزیہ ہرگز نہیں تھا لیکن اس کا چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا۔

”میرا مطلب تھا کہ میں کہیں نہیں جا رہی۔“ اس نے بمشکل وضاحت دی۔

”وجہ پوچھ سکتا ہوں؟“

”سب چلے جائیں گے تو گھر پر کون رہے گا؟“ ”کوئی نہیں رہے گا اور یہ میں صرف اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔ چچی جان نے بھی کہلوایا ہے۔ جلدی سے تیار ہو جائیں۔“ وہ حتمی انداز میں کتاباں سے نکل آیا۔ وہ بھی برتنوں کے ڈھیر پر نظر ڈالتی گہرا سانس لے کر باہر چلی آئی۔

تیار تو اس نے کیا ہونا تھا۔ کپڑے بدل کر بالوں میں برش کیا اور گرم شال سلیقے سے اوڑھ کر باہر آ گئی۔ سب ہی تیار تھے۔

سلمان بھائی کی گاڑی میں ان کی فیملی تھی۔ جب کہ

نہیں ہو سکتیں۔ ”بھائی نے پر زور انداز میں اس کی بات کی تردید کی۔ مومنہ سب بچوں کی رپورٹ تھی ان کی فرمائشیں بلا توقف جو پوری کر دیا کرتی تھی۔ ”ہاں یہ تو ہے۔“ سعدی نے بھی جھٹ تائید میں سر ہلایا۔ خالہ جان مسکراتی ہوئی ان کی باتیں سن رہی تھیں جب کہ وہ جربز ہو رہی تھی۔

اپنی ذات کو موضوع بحث بنانا اسے قطعی پسند نہیں آ رہا تھا۔ سعدون کو سلمان بھائی نے اپنے پاس بلایا تو اس نے بھی سکون کا سانس لیا۔ پھر واپسی تک امن ہی رہا۔



”کل میں لاہور جا رہا ہوں۔“ گھر واپس آتے ہی سلمان بھائی نے اعلان کیا۔ انہیں واپس جانا ہی تھا۔ اس دفعہ تو ان کا قیام عام دنوں کی نسبت کچھ طویل ہی ہو گیا تھا۔ سعدون کی وجہ سے۔

خالہ جان اداس ہو گئیں۔ اولاد لاکھ خود غرض ہو لیکن ماں باپ کے دل سے تو محبت ختم نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی قدرت کا قانون ہے۔

مومنہ کے کندھوں پر سے بوجھ ہٹ رہا تھا اسے پر سکون ہونا چاہیے تھا لیکن وہ خالہ جان کی آنکھوں میں مچلتے آنسو دیکھ کر بے چین ہو گئی۔ اسے اماں یاد آ گئیں۔ ان کی ساری اولاد ہنسی کھیلتی خوش باش ان کے سامنے تھی لیکن مومنہ جب بھی وہاں جاتی اماں کی تشنگی کچھ اور بڑھ جاتی۔

”میرے سارے بچوں میں سب سے زیادہ خاموش یہی کیوں ہے۔ اس کے ساتھ ہم نے بڑی زیادتی کی ہے۔ جب اللہ نے اولاد دی تھی تو ان کے حصے کا رزق بھی دیتا تھا۔ پھر جلد بازی کیوں کی۔“ وہ اپنے جذبات کا اظہار کبھی کبھار اس کے سامنے بھی کر دیا کرتیں ایسے میں وہ حتی الامکان انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتی ہنسی مسکراتی سب سے باتیں بھی کرتی لیکن کیا کیا جائے زار انصوبیا کی طرح یا توئی اور ہسوڑوہ کبھی نہ بن سکی اور شاید اماں اسے بھی ان ہی کی طرح خوش باش

خالو جان کی گاڑی جس کی قسمت کبھی کبھار ہی جاگتی تھی وہ سعدون ڈرائیو کر رہا تھا۔ سارے راستے وہ ڈھیروں باتیں کرتا گیا۔ اپنے امریکہ میں قیام سے لے کر سفینہ آپا کی کوکنگ کے ”شان دار“ تجربات کی خالہ اور خالو کے ساتھ ساتھ وہ بھی بھرپور دلچسپی کے ساتھ سن رہی تھی۔

”چچی یہ جو معزز خاتون آپ کے ساتھ بیٹھی ہیں یہ بولتی نہیں۔“ گاڑی پارک کرتے ہوئے اچانک سعدون نے شرارتی لہجہ میں پوچھا تھا۔

”بولتی ہوں اگر موقع ملے تو۔“ وہ خلاف توقع بڑے آرام سے چوٹ کر گئی جواب میں خالو جان کے ساتھ ساتھ سعدون کا قہقہہ بھی پر زور تھا۔

دوسری گاڑی سے اترتی نغمہ بھابھی تک بھی اس قہقہے کی بازگشت پہنچی تھی جب ہی انہوں نے غور سے ان چاروں کو دیکھا جو گاڑی سے نکل کر مسکراتے چروں کے ساتھ ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ان کی آنکھوں میں تیرلی الجھن نے مومنہ کو بھی الجھن میں مبتلا کر دیا۔

”ان کا کیا مسئلہ ہے۔“ وہ کافی دیر تک یہی سوچتی رہی۔ بعد کا سارا وقت اس نے کوشش کی کہ وہ خالہ جان کے قریب ہی رہے لیکن کیا کیا جائے سعدون کا جو وقتاً فوقتاً اسے مخاطب کر لیتا تھا۔ وہ ہر کسی کو خوش رکھنے والا احساس اور سادہ مزاج شخص تھا لیکن دوسری طرف مومنہ بھی جو پس منظر میں رہنے کی عادی تھی اور اسی میں خوش رہتی تھی۔ لیکن اس وقت وہ خود کو عجیب سی صورت حال میں گھرا محسوس کر رہی تھی جب سعدون کی کسی بات کے رد عمل میں سب ہی کی نظریں اس پر فوکس ہو جاتی تھیں۔

”خالہ جان ان کو دیکھ کر یہ گمان کیوں ہوتا ہے کہ مغلیہ دور کی کسی شہزادی کی روح راستہ بھٹک کر ان میں آسائی ہو۔“ وہ مدبرانہ خالہ جان سے رائے مانگ رہا تھا۔

”سعدی بھائی۔ راستہ تو بدروہیں بھٹکتی ہیں اور اپنی مومی آبی توانی خوب صورت ہیں بدروح ہرگز بھی

اس دائرے میں زندگی گزارتے اب کبھی کبھار عجیب سی وحشت آگھیرتی تھی۔ دل خود بخود بے چین ہو جاتا۔

”میرا خیال ہے میں بہت دنوں سے گھر نہیں گئی اسی لیے طبیعت پر جمود طاری ہو رہا ہے۔“ وہ خود سے تاویلیں گھڑتی۔ اس بات کا ذکر خالہ جان سے کیا تو انہوں نے اسی شام کو سعدون سے کہا کہ وہ اسے کچھ دنوں کے لیے گھر چھوڑ آئے۔ ویسے بھی اپنے آرام کی خاطر دوسرے کی بچی کو باندھ کر رکھنے کا کیا فائدہ۔ جب اپنی ہی اولاد کو احساس نہیں۔ وہ آزرہ ہو گئیں سعدون فوراً تیار ہو گیا۔ مومنہ بھی اپنی طبیعت کے بوجھل پن سے خائف تھی جب ہی بنا کوئی پس و پیش کیے دو چار جوڑے بیگ میں ڈال کر اس کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی۔

”مجھے لگتا ہے آپ یہاں خوش نہیں ہیں۔“ سعدون نے گاڑی بیک کرتے ہوئے ذرا کی ذرا ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔ مومنہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

”نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔“ وہ بھی کہنا چاہتی تھی لیکن نجانے کیا ہوا جو خود بخود ہی آٹسو ایک تو اتر سے آنکھوں سے نکل کر گالوں کو بھگونے لگے۔ وہ اس پر ایک نظر ڈال کر رہ گیا۔ بولا کچھ نہیں بس خاموشی سے ڈیش بورڈ سے چند نشو و نما اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیے۔ کافی دیر تک بے آواز آنسو بہانے کے بعد دل کا غبار کم ہوا تو بے پناہ شرمندگی نے آن گھیرا۔

”کیا سوچتے ہوں گے یہ۔“ وہ بری طرح خجالت کا شکار ہو رہی تھی۔

”آپ کو معلوم ہے جو کچھ آپ کے ساتھ ہو رہا ہے اسے ڈیپریشن کہتے ہیں۔“ کافی دیر تک خاموشی سے ڈرائیونگ کرتے رہنے کے بعد اس نے مومنہ کو مخاطب کیا۔

”آپ کو تو اس کی بھی خبر نہیں ہو گی کہ آپ ڈیپرسل کیوں ہوئی تھیں۔“ وہ کیا کہتی ہتھیلیوں پر نگاہیں جمائے خاموش بیٹھی رہی۔ بھرم کھل گیا تھا اور

اور بے فکر دیکھنا چاہتی تھیں۔ اسی لیے بے چین رہتی تھیں۔ زارا، نسو یا تو خیر چھوٹی تھیں لیکن شاہو اس سے ڈیڑھ سال بڑی تھی اور جس کی پچھلے سال ہی شادی ہوئی تھی وہ بھی کچھ کم لایالی نہیں تھی۔ دیکھنے والے اسے مومنہ سے چھوٹا ہی بتاتے تھے اور ایسے میں اماں گہری سانس بھر کر رہ جاتیں۔

اولاد سے دوری سہنے کے لیے غومت کوئی لازمی شرط نہیں۔ اماں نے غومت کے سبب اس کی جدائی برداشت کی۔ لیکن خالہ جان تو غریب نہیں تھیں پھر بھی وہ اماں کی طرح اولاد کے معاملے میں مجبور تھیں۔ سفینہ آپا کلج میں بھی بڑھاتی تھیں اور گھر کی بھی ساری ذمہ داری ان ہی کے سر تھی کہ ان کی ساس کافی بیمار رہتی تھیں اور سلمان بھائی کو بھی لاہور اس آگیا تھا۔

برتن دھوتے دھوتے وہ اماں اور خالہ کا موازنہ کیے گئی۔

”مائی گڈ نہیں۔ آپ جھکتی نہیں ہیں۔“ سعدون چائے بنانے کچن میں آیا تھا۔ اسے تنک کے پاس براہمان دیکھ کر ٹھنک گیا۔ مومنہ نے اسے دیکھا ضرور لیکن جواب نہیں دیا۔

”برتن صبح بھی دھل سکتے تھے لیکن سفینہ بھابھی صبح کہتی ہیں آپ کے بارے میں۔“ وہ تاسف سے سر ہلارہا تھا۔

”یہ سفینہ آپا کو کیا ہو گیا میں اتنی اہم ہستی تو نہیں جو وہ ہر کسی سے میری ذات کے دیدہ و نادیدہ پہلوؤں پر اظہار خیال کرنے بیٹھ جاتی ہیں۔“

وہ سعدون سے تو کچھ نہ کہہ پائی لیکن مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ فون پر سفینہ آپا سے ضرور باز پرس کرے گی۔ ایک بار پھر روٹین کے دن شروع ہو گئے تھے۔ سعدون نے آفس جوائن کر لیا تھا۔ وہ صبح کا نکلا شام کو لوٹتا۔ خالہ جان خالو اور وہ خود تینوں ایک بار پھر لگی بندھی روٹین کے مطابق زندگی گزارنے لگے۔



اس کے ساتھ ایک عجیب بات ہوئی تھی۔ اسے

اظہار کس حد تک ضروری ہے۔ اب دیکھیں
آنسوؤں کے راستے دل و دماغ کی ساری کثافتیں دھل
گئیں تو کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ وہ کیا تشبیہ دیتے ہیں اس
موقع پر۔ ”سعدون نے سوچنے کی کوشش کی۔

”ہاں جیسے بارش کے بعد آسمان لگتا ہے صاف
شفاف دھلا دھلا سا۔ اس کا انداز اتنا ہلکا پھلکا سا تھا کہ
مومنہ کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”گڈ اب تو قوس و قزح بھی دیکھی جاسکتی ہے۔“
اس کا انداز شرارتی ہوا۔ وہ جھینپ گئی۔

”مسکراتی رہا کریں اچھی لگتی ہیں۔ اور اب پلیر
مجھے اپنے گھر کا راستہ بتائیے کتنی دیر سے چکر کاٹ کر
اسی سڑک پر گھوم رہا ہوں۔ اب تو سامنے پولیس والا
بھی مشکوک ہو گیا ہے۔“

فورا“ سے پیشتر لوجہ تبدیل کرتے ہوئے اس نے کہا
تو مومنہ جو اس کے پہلے فقرے پر غور کر رہی تھی
چونک گئی۔ واقعی کافی دیر ہو گئی تھی انہیں اسی سڑک پر
گھومتے۔ وہ ایک بار پھر جھینپ کر اسے راستہ بتانے
لگی۔

اس دفعہ اسے واقعی بہت مزا آرہا تھا۔ شاید بھی اتفاق
سے آئی ہوئی تھی۔ شاید اس کی دوستی بھی خوب تھی
معلوم نہیں سعدون کے سمجھانے کا اثر تھا یا کوئی اور
بات تھی کہ وہ اس دفعہ خود کو کافی ہلکا پھلکا محسوس کر
رہی تھی وگرنہ وہ اس چھوٹے سے گھر کے ہنگامہ پرور
کینوں کے درمیان آکر بھی اس ہنگامے کا حصہ نہ بن
پاتی تھی۔ چھوٹی سی چھوٹی بات بھی اسے مضطرب اور
بے چین کر دیا کرتی تھی۔

ایسی اس کے آنے کی خوشی میں اس کے لیے کوئی
اسپیشل چیز بناتیں اور اس کے کھانے سے پہلے ہی
پلیٹ زار اور ضویا اچک لیتیں۔

”آئی تو وہاں بھی پیش ہی کرتی ہیں۔ اماں ان کی
اتنی مہمان نوازی نہ کیا کریں۔ ہم غریبوں کا کچھ سوچا
کریں۔ گاجر کا یہ مزے دار حلوہ کھائے کتنے دن ہو گئے۔“

ابا بازار سے اس کے لیے کچھ لاتے تو اس کے پاس

وہ شرمندہ ہو رہی تھی اپنا اندر اس پر عیاں ہو جانے پر۔
”جذبات کا اظہار نارمل زندگی گزارنے کے لیے
ازحد ضروری ہے۔“ اس نے کوئی جواب نہ پا کر تمہید
جاری رکھی۔

”اگر آپ اپنے جذبات پر بند باندھے رکھیں گی تو
آپ کے ساتھ وہی ہو گا جو انجھی کچھ دیر پہلے ہوا تھا۔
جذبات کا اظہار کرنا سیکھیے۔ غصہ آ رہا ہے تو آنے دیں
یہ نارمل انسانوں کی نشانی ہے۔ اگر کوئی بات ناگوار لگ
رہی ہے تو اظہار کیجیے تاکہ اندر رہی اندر لاوا یک کر آپ
کے لیے اور مسائل پیدا نہ کرے۔ لیکن آپ کے
ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ آپ خود کو نارمل انسانوں کی
فہرست میں سمجھتی ہی کب ہیں، محض رو بوٹ بنی پھرتی
ہیں۔“ سعدون کے لہجے میں تأسف تھا جسے محسوس کر
کے مومنہ کا سر کچھ اور جھک گیا۔

”خود ترسی کا شکار مت ہوا کریں۔ کس چیز کی کمی
ہے آپ میں۔ خوب صورت ہیں، پڑھی لکھی ہیں۔
چچا جان آپ کے نام کی مالا جیتے ہیں۔ چچی آپ پر قریفہ
رہے آپ کے گھر والے تو یقیناً“ وہ بھی آپ سے
بے پناہ محبت کرتے ہوں گے۔ اتنی ساری محبتیں یا کر
بھی آپ اپنے آپ کو خوش قسمت نہیں سمجھتیں۔
میرے خیال میں یہی آپ کی یہ قسمتی ہے۔“ وہ ایک
ماہر نفسیات دان کی طرح اس کا تجزیہ کر رہا تھا۔

”میں خود ترسی کا شکار نہیں ہوں۔“ باقی سب
باتیں اس کی اگرچہ ٹھیک تھیں لیکن خود ترسی کے لفظ
پر وہ احتجاج کیے بنانہ رہ سکی۔

”ویٹس فائن۔ ہونا بھی نہیں چاہیے۔“ اس نے
فورا“ اتفاق کیا۔

”ایسے میرے ساتھ ہمیشہ نہیں ہوتا۔ بس میں
”وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”کہتے کہتے سے دل کا بوچھ ہلکا ہو جاتا ہے۔“

”میرے دل پر کوئی بوجھ نہیں ہے۔“

”تھا تو سہی۔“

”ہاں لیکن اب نہیں ہے۔“

”یہی تو میں آپ کو سمجھانا چاہ رہا تھا کہ جذبات کا

آنے سے پیشتر ہی ٹیپو اور احمد خٹہ خڑے کر لیتے۔
 ”آپ تو کھاتی رہتی ہیں آج ہم دعوت اڑائیں گے“
 وہ مذاق میں کہتے۔ وہ بظاہر مسکراتی لیکن دل میں
 اداسی کی دیزیز کچھ اور گہری ہو جاتی۔ یہ نہیں تھا کہ
 اسے اپنے بہن بھائیوں سے محبت نہیں تھی یا وہ ان
 سے کسی قسم کا حسد محسوس کرتی تھی۔ بس بات یہ تھی
 کہ اس نے خود سے فرض کر رکھا تھا کہ اس کا کسی چیز پر
 کوئی استحقاق نہیں۔ نہ یہاں نہ وہاں لیکن اس بار
 کچھ سعدون کی باتوں کا اثر تھا اور کچھ وہ شاکو دیکھ رہی
 تھی جو اس وقت بھی زار اسے سوہن حلوے کی پلیٹ
 چھین رہی تھی۔
 ”نشا آپ تمہاری سسرال میں سوہن حلوہ نہیں آتا
 کیا۔“ زار اس چھینا چھٹی سے چڑ کر بولی۔
 ”آتا ہے لیکن ایسا نہیں۔ یہ جواب اپنے ہاتھوں سے
 میرے اور موی کے لیے لائے ہیں نا اس کی لذت ہی
 کچھ اور ہے آؤ مومنہ تم بھی ٹرائی کرو۔“ اس نے اسے
 بھی دعوت دی۔
 ”واقعی یہ زیادہ مزے کا ہے۔“ نشا کا اشارہ سمجھتے
 ہوئے اس نے بھی زار کو چڑایا۔
 ”چلیں ٹھیک ہے آپ دونوں یہ کھائیں میں وہ ڈبا
 کھول رہی ہوں جوابا تمہارے سسرال والوں کے لیے
 لائے ہیں۔“ زار کو یاد آیا تو اس نے جھٹ پکن کا رخ
 کیا۔ پیچھے پیچھے نشا بھی گئی تھی اس کو اس ارادے سے
 باز رکھنے کے لیے وہ مسکراتی ہوئی وہیں بیٹھ گئی۔
 اماں ابا کے سفید کرتے پر کڑھائی کر رہی تھیں۔
 اس نے بڑی محبت سے اپنے بازو اماں کے گرد جمائے
 کر دیے۔ اماں چونک گئیں۔ ایسا پیار تو اس نے کبھی
 نہیں کیا تھا۔ اماں خود اس سے باقی بچوں کی طرح لاڈ کرنا
 چاہتی بھی تھیں تو اس کی خاموشی سے خود کو اس کا مجرم
 سمجھتے ہوئے خود ہی جھجک کر پیچھے ہٹ جاتی تھیں۔
 اب اس نے اماں کے گرد بازو جمائے کر کے ان کے
 کندھے پر سر رکھا تو اماں کو نجانے کیا ہوا کہ اسے اپنے
 سے لپٹا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔
 ”کیا ہوا اماں۔“ وہ پریشان ہو گئی۔

”تو بہت صابر بیٹی ہے میری۔ اللہ تیرا نصیب بہت
 اچھا کرے۔“ ان کے رومیں رومیں سے اس کے
 لیے دعا نکلی تھی۔
 اس کی آنکھیں بھی بے ساختہ بھر آئیں۔ یہی
 لمس یہی والہانہ پن یہی مان۔ یہی تو خانہ خالی تھا اس
 کی زندگی میں۔
 ”اماں پلیز مت روئیں۔ میں تو پہلے ہی خوش
 نصیب ہوں کہ میری دو دوا میں ہیں جو میرے لیے
 دعائیں کرتی ہیں۔“
 اس نے انگلی کی پوروں سے ان کی آنکھیں صاف
 کیں۔
 اماں نے ایک بار پھر اسے اپنے ساتھ لپٹالیا۔
 ”اوہو بڑے لاڈ ہو رہے ہیں۔ یہ قافل ہے اماں۔
 سسرال سے تو میں آئی ہوں۔“ نشا نے کمرے میں
 داخل ہوتے ہی احتجاج کیا۔
 ”چل ہٹ تیرے کیا کم لاڈ اٹھاتی ہوں میں۔“ اماں
 نے اسے بھی اپنے دوسرے بازو کے حلقے میں لیا۔
 ”اچھا یہ بتاؤ۔ کیا کھاؤ گی آج؟“ اماں نے روزوالا
 سوال دہرایا۔
 ”چاول۔“ جواب ہمیشہ کی طرح نشا نے دیا۔
 ”نہیں اماں آج ہم آپ کے ہاتھ کا بنا ہوا پالک
 گوشت کھائیں گے۔“ مومنہ نے غالباً پہلی بار ان
 سے کچھ کھانے کی فرمائش کی تھی۔ اماں ایک بار پھر
 ٹھال ہو گئیں۔
 ”ٹھیک ہے آج پالک گوشت ہی بنے گا۔“ انہوں
 نے فیصلہ سنایا۔
 ”اس کا مطلب ہے ہمارے ساتھ ساتھ آپ بھی
 سوتلی ہیں نا آئی۔“ ضویا نے فوراً نتیجہ نکالا اور سب
 کا مشترکہ قہقہہ کمرے کی فضا میں گونجا تھا۔
 * * *

”آج چائے کافی مزے دار بنی ہے اور مجھے یقین
 ہے انس چچا کہ آپ ایسی مزے دار چائے کبھی نہیں
 بنا سکتے۔“ آفس سے آنے کے بعد فریش ہو کر وہ چچا

جان کے پاس آیا تھا۔ جہاں گرامر مچائے اس کی منتظر تھی۔

”اتنے دنوں تک تو تم میرے ہاتھ کی چائے پی کر تعریفیں کرتے رہے اور آج مومنہ کے آتے ہی بیان بدل لیا۔“

”مومنہ آگئی؟ وہ چونکا۔ خوش گوار حیرت نے اس کے وجود کا احاطہ کیا تھا۔ ورنہ اس نے تو محض انس چچا کو چھیڑا ہی تھا۔

”ہاں آگئی۔“ انس چچا نے سر ہلا کر کہا۔ اسی لمحہ کمرے میں داخل ہوئی۔ دھلے ہوئے کپڑے الماری میں رکھنے۔

”اسلام علیکم!“ اس نے سعدون پر نظر پڑتے ہی سلام کیا۔

”وعلیکم السلام! آج تو بڑے بڑے لوگ نظر آ رہے ہیں۔ سعدون کا لہجہ خود بخود ہی خوش گوار ہو گیا تھا۔ وہ مسکرا دی۔

”شکر ہے بیٹا تم آگئیں ورنہ اتنے دنوں سے سعدی اپنے کو ٹنگ کے تجربات ہم پر آزما رہا تھا۔ اب تو معدے میں سکت نہیں رہی تھی امر کی نژاد پاکستانی کھانے کھانے کی۔“ کھانوں کے لیے امر کی نژاد کی اصطلاح پر وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

”یہ فاول ہے انس چچا۔ اتنے دنوں سے تو آپ میرے کھانوں کی تعریفیں کیے جا رہے تھے اور آج مومنہ کو دیکھتے ہی بیان بدل دیا۔“

”اسے نظریہ ضرور کہتے ہیں بر خوردار۔ اگر تمہاری تعریف نہ کرتا تو یقیناً تمہاری چچی کے ہاتھ کا کھانا کھانا پڑتا اور ان کے ہاتھ کا کھانا تمہارے امر کی نژاد کھانوں سے بھی مشکل سے ہضم ہوتا ہے۔“

”تو اب آگئی نا آپ کی لاڈلی۔ کھائیے گا ان ہی کے ہاتھ کا کھانا۔“ سعدون نے مصنوعی حقیقت سے کہا۔

”جیلس ہو گئے۔“ انس چچا نے مزالیا۔

”بالکل آج سے پہلے میرے کھانوں کی اتنی تعریف کسی نے کی جو نہیں۔“ اس کے جملے کئے لہجے پر مومنہ ایک بار پھر ہنسی تھی۔

”اس کی ہنسی واقعی بہت خوب صورت ہے۔“ سعدون نے اس کے دامیں گال میں بڑتے ڈمپل کو دیکھ کر فوراً ہی تسلیم کیا تھا۔ اس کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے مومنہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ اسے مکمل طور پر اپنی طرف متوجہ دیکھ کر اس کے مسکراتے لب ایک دوسرے میں پوہست ہوئے تھے۔ گڑبڑا کر اس نے اپنا رخ الماری کی جانب کر لیا۔

سعدون کے لبوں پر کھلتی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔

”مان گیا بھابھی آپ کو۔ چوائس آپ کی زیر دست ہے۔“ سعدون کارڈ لینس اٹھائے غالباً ”سفینہ“ آپا سے بات کر رہا تھا۔

”بات۔ نہیں ابھی تک تو نہیں کی۔“

”ہاں صحیح کہہ رہی ہیں ہمت ہی نہیں ہوئی۔ آخر شریف سائبندہ ہوں۔“ دوسری جانب سے کچھ کہا گیا تھا جس کے نتیجے میں وہ زور سے ہنسا۔

”نہیں نہیں ابھی آپ کی انٹری کا موقع نہیں آیا۔ میرا خیال ہے یہ کام مجھے خود ہی کرنا چاہیے۔“

برآمدے میں جائے نماز پر بیٹھی دعا مانگتے کی کوشش کرتی مومنہ کے کانوں تک اس کی ساری گفتگو پہنچ رہی تھی۔ بات تو یقیناً ”وہ سفینہ“ آپا سے ہی کر رہا تھا لیکن گفتگو اس کے اوپر سے گزر رہی تھی۔

”تو یہ ہے بعض لوگ کتنی لالچی گفتگو کرتے ہیں۔ دعا کے لیے یکسوئی حاصل نہ ہو سکنے پر اس نے تنگ آ کر جائے نماز ہی پلٹ دی۔

سعدون ابھی بھی فون پر مصروف تھا وہ صحن میں خالہ کے پاس چلی آئی۔ دھوپ ڈھل رہی تھی خالو جان ابھی تک واپس نہیں لوٹے تھے۔

”کب تک آئیں گے خالو جان۔“ اس نے کرسی دھوپ میں گھسیٹ کر خالہ کے برابر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”جتنا نہیں صبح کے نکلے ہوئے ہیں۔ ان کے دوست بھی ان ہی کی طرح فارغ ہیں۔“ خالہ جان بے زاری سے بولیں۔ خالو جب بھی اپنے دوستوں کے پاس

جاتے تھے سارا دن ہی لگا کر آتے تھے۔

”کچھ نہیں ہوتا خالہ جان۔ اس عمر میں ریشائرو لوگ اسی طرح لائف انجوائے کرتے ہیں اور ویسے بھی اچھا ہی ہے دوستوں میں جا کر طبیعت بہل جائے گی ہر وقت گھر پر ہی تو رہتے ہیں“ وہ خالہ جان کو تسلی دے رہی تھی۔

”ہاں اچھا ہی ہے۔“ خالہ نے خود کھامی کی۔ وہ کچھ سنجیدہ سی تھیں۔

”سعدی کب آیا تھا آفس سے۔“ انہیں اچانک ہی یاد آیا۔

”شاید تین ساڑھے تین بجے۔“ اس نے پرسوج انداز میں جواب دیا۔

”مجھے پتا ہی نہیں چلا۔“

”آپ سو رہی تھیں نا۔“

”ہاں آج جلدی کیے آگیا روز تو مغرب تک ہی آتا ہے۔“

”پتا نہیں۔“ مومنہ کندھے اچکا کر رہ گئی۔

”نعیمہ کا فون آیا تھا۔“ خالہ جان کہنے لگیں۔

وہ پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔ خالہ کا لہجہ خلاف توقع سنجیدہ سا تھا اسے تشویش ہوئی۔

”بینش آرہی ہے۔ اسی کے متعلق بتا رہی تھی۔“ انہوں نے نعیمہ بھابھی کی بہن کا نام لیا۔

”بینش آرہی ہے۔“ مومنہ نے قدرے حیرت سے ان کی بات دہرائی۔

”خیریت!“

”بس کہہ رہی تھی کہ کچھ دن یہاں رکے گی پھر اپنے ماموں کے ہاں چلی جائے گی۔“ خالہ جان نے نعیمہ بھابھی کی بات دہرائی تو اس کی تشویش کم ہوئی۔

اسے یہ خبر سن کر حیرت تو ضرور ہوئی تھی لیکن پریشانی نہیں کیونکہ اس سے پہلے بھی ان کے گھر سے کوئی نہ کوئی یہاں آتا رہتا تھا۔ نعیمہ بھابھی کا انھیال ادھر ہی تھا وہاں جو بھی آتا کچھ دن ان کو میزبانی کا شرف ضرور بخشا۔

مومنہ کو خالہ کچھ چپ چپ سی لگیں جیسے کسی اہم

مسئلہ پر غور کر رہی ہوں۔

مومنہ کچھ دیر تک ان کے پاس بیٹھی رہی پھر کچھ بور ہو کر وہاں سے اٹھ آئی۔

آج اسے آفس سے ایئرپورٹ جانا تھا۔ نعیمہ بھابھی کی بہن آرہی تھی اور یہ ان ہی کا فرمان تھا۔

”بینش گھبرا جائے گی اکیلے گھر تک آتے ہوئے آپ سعدی کو ضرور بھیج دیجیے گا۔“ اس نے لاکھ دامن چھڑانا چاہا لیکن انہیں مناسب نہیں لگ رہا تھا کہ بچی ایئرپورٹ سے تنہا گھر آئے۔

”بچی لاہور سے تنہا بہاولپور آتے ہوئے تو گھبرائی نہیں۔ گھر تک آتے ہوئے گھبرائے گی۔“ وہ سوچ کر رہ گیا اور بینش کا جو تصور نعیمہ بھابھی اور خالہ جان کی باتوں سے اس کے ذہن میں قائم ہوا تھا، بینش سامنے آئی تو ایسا تلپٹ ہوا کہ وہ حیران رہ گیا۔

اس کے ذہن میں گھبرائی ہوئی سی نو عمر لڑکی آرہی تھی لیکن وہ چھبیس ستائیس سال کی میچور لڑکی تھی۔ بڑے اعتماد سے سعدون کے قریب آکر اس نے اپنا تعارف کروایا تھا۔

”نعیمہ بھابھی بھی کسی زمانے میں ایسی ہی ہوں گی جب ہی انہوں نے سلمان بھائی کو اپنی زلفوں کا اسیر کیا تھا۔“ سعدون کے ذہن میں گاڑی ڈرايو کرتے ہوئے یہی بات آئی تھی۔ وہ جدید تراش خراش کے کپڑوں میں ملبوس تھی۔ اس کی ڈرنگ اس کی پرسنالٹی سے میچ کر رہی تھی۔ شوذر کٹ بالوں کے ساتھ وہ کافی اچھی لگ رہی تھی۔

سارے راستے وہ بڑے اعتماد سے اس سے ہلکی پھلکی بات چیت کرتی آئی تھی۔

جس کے نتیجے میں وہ گھر پہنچنے تک اس سے اچھی خاصی واقفیت حاصل کر چکی تھی مثلاً ”اس کی تعلیم“

جب بہاولپور میں قیام کی تفصیلات وغیرہ وغیرہ ساتھ ہی اس نے اپنے متعلق بھی تمام ضروری معلومات اسے فراہم کر دی تھیں جن سے سعدون کو خاص دلچسپی تو تھی نہیں بس ہوں ہاں کر کے سنتا رہا۔

گھر میں سب لوگ کھانے پر ان کے شکر تھے۔

اس معاملے میں وہ نعرہ بجا بھی سے یکسر مختلف تھی کہ وہ ان کی طرح کسی بات کو سر پر سوار نہیں کرتی تھی بلکہ پورے اطمینان سے کسی بھی معاملے کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد لائحہ عمل بنانے کی عادی تھی اور چیلنج قبول کرنے میں اسے مزا آتا تھا۔

حیرت انگیز طور پر بینش کا دل بہاولپور میں لگ گیا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے تو دو چار دن میں ہی بورسٹ کا شکار ہو کر اپنے ماموں کے گھر سدھارتی۔ وہ بھی بہاولپور میں ہی رہتے تھے اور وہاں سے اگلے دو چار دنوں میں واپس لاہور۔ لیکن اس دفعہ وہ اپنے قیام سے اچھا خاصا لطف اٹھا رہی تھی۔ اس سے پہلے اس نے خالوجان کی اسٹڈی میں کبھی کوئی دلچسپی نہیں لی۔ لیکن اس بار وہ ان کی کتابوں سے بھرپور فائدہ اٹھا رہی تھی۔ مومنہ کی اپنی وہی روٹین تھی۔ گھر کے کاموں کے ساتھ آتے جاتے بینش کے پاس دو گھنٹی رک کر حق میزبانی ادا کرتا۔ اس کی تھوڑی بہت خاطر واری کرتا۔ یا پھر ہلکی پھلکی باتیں، اگر بینش کاموڈ ہوتو۔ بینش غصہ بجا بھی سے تھوڑی بہت مختلف ہی تھی کیونکہ وہ مسکراتی بھی تھی اور کبھی کبھار باتیں بھی کرتی تھی۔ ہاں روٹین اس کی عجیب سی تھی۔

سارا دن سوتی رہتی تھی لیکن شام ڈھلے، اچھی طرح ڈریس اپ ہو کر، خوشبوئیں بکھیرتی فریش موڈ کے ساتھ سعدون کے کمرے میں جا پہنچتی اور ایزی چیئر پر دراز کتابیں پڑھا کرتی خالوجان کی کتابوں کے قیمتی ذخیرے سے فائدہ اٹھانے کے لیے۔

سعدون کی آمد ہوتی تو وہ اسے وہیں ملتی۔ سعدون بھی کئی دنوں سے اس کی روٹین نوٹ کر رہا تھا۔ اس کا علاج اس نے یہ ڈھونڈا کہ دو سرے کمرے میں شفٹ ہو گیا۔ بینش اس تبدیلی سے لاعلم تھی۔ وہ حسب معمول اسٹڈی میں ہی تھی۔ کافی دیر تک سعدون کا انتظار کرتے رہنے کے بعد مایوس ہو کر بالآخر وہ باہر آئی تھی۔

”سعدون نہیں آئے اب تک۔“ اس نے مومنہ کو روک کر اس سے پوچھا۔

سعدون اسے چھوڑ کر واپس آفس جانا چاہتا تھا کافی دیر ہو گئی تھی لیکن اس پچا کے اصرار پر کھانے کے لیے رک گیا۔

جتنی دیر میں بینش فریش ہو کر آئی مومنہ نے ٹیبل لگالی تھی۔ پانی کا جگ میز پر رکھ کر وہ واپس کچن کی طرف پلٹنے کو تھی جب سعدون نے اسے پکارا۔

”مومنہ آپ کھانا نہیں کھائیں گی۔“ وہ اس کی مصروفیات سے بخوبی آگاہ تھا۔

”میں آتی ہوں۔ آپ کے لیے چائے بنالوں۔“

آپ کو جلدی جانا ہے نا۔“ وہ سادگی سے وضاحت دے رہی تھی۔ اتنے دنوں سے ساتھ رہتے ہوئے اس کی عادوتوں سے وہ اتنا واقف ہو ہی گئی تھی کہ وہ کھانے کے فوراً بعد چائے پینے کا عادی ہے۔

”آپ کھانا تو کھاتیں مجھے اتنی جلدی بھی نہیں ہے۔ چائے اطمینان سے پیوں گا۔“

اگرچہ وہ ہر کسی کا اتنا ہی خیال رکھتی تھی۔ لیکن پھر بھی اپنی ذات کے لیے اس کی فکر مندی سعدون کو اچھی لگی تھی۔ وہ اس کے دھیان میں یہ بھی بھول گیا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے آفس سے کال آنے پر وہ کھانے کے لیے بھی بمشکل رکا تھا۔

بینش نے سعدون کی بات پر کچھ چونکتے ہوئے بغور مومنہ کو دیکھا۔ وہ کسی ہی تھی جیسے کئی برس پہلے تھی خاموش خاموش سی۔ ہاں خوب صورت وہ پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی تھی۔

اس کی گلابی رنگت کائن کے عام سے سوٹ میں بھی دمک رہی تھی۔ لمبے سیاہ بال اگرچہ کلپ کی قید میں تھے پھر بھی ان کی خوب صورتی کا اندازہ لگانے کے لیے دوسری نظر ڈالنے کی ضرورت نہ تھی۔ مناسب سرایا۔ خوب صورت ہاتھ پاؤں۔

”یہ لڑکی اگر اسٹائنلش کپڑے پہنے تو کمال لگے۔“ بینش نے بے اختیار اسے سراہا تھا۔ اسے نعرہ آپی کے خدشات بے جا نہیں لگے تھے۔

”لٹنس ہوپ فار دی بیسٹ۔“ اس نے سوچا اور سر جھٹک کر پوری توجہ سے چکن بریانی کھانے لگی۔

”آگئے۔ آج تو کچھ جلدی ہی آگئے تھے۔“

”کہاں ہیں؟“ اسے اچھینا ہوا۔

”اپنے کمرے میں۔“ مومنہ نے جواب دیا۔

”انہوں نے کمرہ پہنچ کر لیا نا۔“ اس کی حیران شکل دیکھ کر مومنہ کو اندازہ ہوا کہ وہ اس بات سے واقف نہیں تھی۔

”کیوں!“ بینش نے ابرو چڑھائے۔

”بس وہ کہہ رہے تھے کہ خالوجان کو اور باقی سب کو مشکل ہوتی ہے۔ اسٹڈی تھی نایہ خالوجان کی اور وہ وقت بے وقت پڑھنے کے عادی ہیں پڑھے بغیر نیند جو نہیں آتی۔“ اس نے اپنی طرف سے جواز گھڑ کر وضاحت دی اسے مطمئن بھی تو کرنا تھا اب صاف صاف تو نہیں بتا سکتی تھی کہ سعدون نے کس وجہ سے کمرہ تبدیل کیا ہے۔

بینش تو بتا نہیں مطمئن ہوئی یا نہیں سعدون جو کسی کام سے بچن کی طرف آ رہا تھا ٹھنڈی سانس بھر کر پلٹ گیا۔

”یہ محترمہ کچھ زیادہ ہی احساسِ ہمدردی کے جذبے سے سرشار ہیں۔“

وہ تو چاہتا تھا کہ اس کے کمرے میں وقت بے وقت بینش کی موجودگی کے متعلق اس کا اظہارِ ناپسندیدگی واضح ہو لیکن مومنہ کا خود ساختہ جواز اتنا ٹھوس تھا کہ بینش نے مطمئن ہو ہی جانا تھا۔

”بینش جو پہنتی ہے اس پر کتنا سوٹ کرتا ہے۔“

مومنہ نے اورنج اور پنک لمبی نیشن کے خوب صورت ایئرڈ سوٹ میں ملبوس بینش پر توصیفی نظر ڈالی۔ وہ لی وی کے آگے بیٹھی کافی کے سپ لے رہی تھی جبکہ دوسرے ہاتھ میں ریموٹ تھا۔

مومنہ بھی فی الوقت فارغ تھی بالکہ یوں کہنا چاہیے منتظر تھی کہ بینش وہاں سے اٹھے اور وہ اپنا فیورٹ ٹاک شو دیکھے جس کو دیکھنے کے لیے وہ اپنی تمام تر مصروفیات میں سے ٹائم نکالتی تھی۔ اس وقت ریموٹ چونکہ بینش کے ہاتھ میں تھا اور وہ سدا کی بامروت اسے چینل بدلنے کا بھی نہیں کہہ سکتی تھی سو

فی الحال وہ انتظار کرنے پر مجبور تھی اور اسی انتظار میں بینش کی شخصیت پر غور کر رہی تھی۔

اسی لمحے سعدون اور خالوجان باہر سے لوٹے تھے۔ خالوجان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اس موسم میں انہیں سانس کی تکلیف ہو ہی جایا کرتی تھی وہ ان کا چیک اپ کروا کر لایا تھا۔ خالو تو سیدھے اپنے کمرے میں چلے گئے سعدون وہیں بیٹھ گیا۔

بینش ریموٹ چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

”کیا کہا ہے ڈاکٹر نے۔“ بینش نے چھوٹے ہی وہ سوال کیا جو مومنہ کے دل میں تھا اور اسے نوک زبان پر آنے میں کچھ وقت لگنا تھا۔

سعدون جواب میں اسے تفصیل بتانے لگا۔ بینش مکمل توجہ سے اس کی بات سن رہی تھی۔ اسے سعدون سے باتیں کرتا دیکھ کر مومنہ کو رشک آنے لگا۔ بعض لوگ کتنی مکمل شخصیت کے مالک ہوتے ہیں جیسے سعدون جیسے بینش۔ بینش ہر موضوع پر کھل کر سعدون سے بات کر لیا کرتی تھی۔ مطالعہ تو مومنہ کا بینش سے کہیں زیادہ تھا۔ لیکن وہ اتنے اعتماد سے اپنا پوائنٹ آف ویو کسی دوسرے تک نہیں پہنچا سکتی تھی۔

دونوں کی گفتگو میں اسے اپنا وجود غیر ضروری لگا کام کی بات پتا چل گئی تھی کہ خالوجان موسمی الرجی میں مبتلا ہیں اور انہیں مسلسل دوائیاں استعمال کرنا ہوں گی۔ وہ خالہ جان کو دیکھنے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب تو انہوں نے نماز پڑھ لی ہوگی۔ وہ سوچتے ہوئے کمرے سے نکل ہی رہی تھی جب سعدون نے ریموٹ اٹھا کر چینل بدلا۔

”مومنہ آپ کا فیورٹ ٹاک شو آ رہا ہے۔ دیکھیں گی نہیں۔“ اس نے ایک دم مومنہ کو آواز دی تھی۔ مومنہ کو خوش گوار حیرت ہوئی۔

سعدون کو پتا ہے کہ میں یہ پروگرام دیکھتی ہوں۔ اسے واقعی خوشی ہوئی تھی۔ کوئی آپ کا خیال رکھے یہ اچھا لگتا ہے اور سعدون اسے اکثر ڈیپٹر یہ چھوٹی موٹی خوشیاں دیتا رہتا تھا۔

وہ خالہ جان کو بھی وہاں بلا لائی کہ یہ پروگرام انہیں بھی پسند تھا۔
سعدون کو اس کی آنکھوں میں نظر آنے والی خوشی کی تحریر بڑھ کر طمانیت ہوئی تھی اور سعدون کا اطمینان بیش نے بغور ملاحظہ کیا تھا۔



سفینہ آیا کے فون نے اسے حقیقتاً "ششدر کر دیا تھا۔
"سعدون اور میں۔" اسے کئی ساعتوں تک یقین ہی نہ آیا۔
سفینہ آپا نے فون کر کے ڈائریکٹ اسے لائن پر بلوایا تھا۔

"دیکھو مومی! سعدی نے مجھے تم سے کچھ بھی بات کرنے سے منع کیا تھا لیکن کل امی نے فون کیا تھا کہ نعیمة بھابھی بیش کے لیے سعدی کا رشتہ کروانا چاہ رہی ہیں۔ اب تک تو میں سعدی کی خواہش پر خاموش تھی لیکن میرا خیال ہے جس معاملے میں نعیمة بھابھی انوالو ہو جائیں وہ اتنا سیدھا نہیں رہتا۔ اسی لیے میں نے تم سے ڈائریکٹ بات کرنا ضروری سمجھا ہے۔" سفینہ آپا نے لمبی تمہید باندھی۔ یہ اور بات کہ ان کی تمام تمہیدی گفتگو مومنہ کے سر پر سے گزر گئی۔ سعدون نعیمة بھابھی۔ رشتہ۔ وہ چکر اگئی۔

"کیا بات ہے آپا کیسی ابھی ابھی باتیں کر رہی ہیں۔ اگر نعیمة بھابھی بیش سے سعدون کا رشتہ کرنا چاہ رہی ہیں تو آپ مجھے کیوں بتا رہی ہیں۔"
"میں تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں میری چند اکہ سعدون تمہیں پسند کرتا ہے اور تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"جی!" وہ کئی سیکنڈز تک تو کچھ اور بول ہی نہ پائی۔
"دیکھو میری بات غور سے سنو۔ امی بتا رہی تھیں کہ بیش آئی ہوئی ہے۔ وہ خوب صورت بھی ہے اور پڑھی لکھی بھی۔ نیچر کا تو مجھے پتا نہیں۔ شادی سے پہلے تو نعیمة بھابھی بھی اتنی تیز نہیں لگتی تھیں۔"

سہر حال تم چو کس رہنا۔ ہر وقت گو تم بدھ بنی پھرتی ہو اور ہاں پریشان نہ ہونا اگر وہ کوئی ایسی ویسی بات کریں تو۔
"یانی رہا سعدی تو وہ سمجھ دار ہے سنبھال لے گا سب۔ امی سے میں نے کہہ دیا ہے کہ وہ سعدی کی تم میں دلچسپی کا ذکر ان کے سامنے کر دیں۔"

سفینہ آپا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس مختصر سی ٹیلی فونک گفتگو میں اسے کیسے ساری اونچ نیچ سمجھا ڈالیں۔ اسی کوشش میں ہلکان ہوئیں وہ ابھی ابھی گفتگو کر رہی ہیں اور مومنہ سن ہوتے دماغ کے ساتھ ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کی غائب دماغی سے تنگ آ کر انہوں نے فون ہی بند کر دیا۔ وہ سر ہاتھوں میں تھام کر وہیں بیٹھ گئی۔

"اف! کیا انکشاف کیا تھا سفینہ آپا نے۔" وہ یقین کرنے کو تیار نہ تھی۔
"کیا واقعی سعدون مجھ سے۔"

"کس چیز کی کمی ہے ان میں پھر میں ہی کیوں۔ ان کو تو اچھی سے اچھی لڑکی مل سکتی ہے۔"

"اونہوں خود ترسی کا شکار کیوں ہوتی ہیں۔ کس چیز کی کمی ہے آپ میں۔" کسی نے بہت قریب سے سرگوشی کی تھی۔

"کیا کر رہی ہو بیٹا؟" خالہ جان کی آواز آئی تھی۔ وہ چونک اٹھی۔ "کچھ نہیں خالہ جان۔"

"ذرا سعدی کو فون تو کرو۔ کہاں رہ گیا تمہارے خالو کو چیک اپ کے لیے لے کر جانا تھا آج۔ رات سے بار بار سانس اکھڑ رہا ہے۔"

"آجائیں گے خالہ جان۔ آفس میں کام زیادہ ہو گا۔" اس نے انہیں مالتا چاہا۔

"ڈاکٹر سے ٹائم لیا تھا اس نے بھول گیا ہو گا یا وہی کرو اور ورنہ خفا بھی وہی ہو گا۔"

خالہ جان کے اصرار پر وہ ناچار اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے سیل فون کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے دل دھک دھک کر رہا تھا۔

"عجیب مصیبت میں ڈال دیا سفینہ آپا نے۔" جی کہتے ہیں لاعلمی بڑی نعمت ہے۔ "وہ دل کی حالت سے گھبرا

گئی تھی۔

”ہیلو۔“ دوسری ہی ٹیل پر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

”ہیلو۔“ میں۔۔۔ وہ ہچکچاہٹ کا شکار ہوئی۔

”ہاں مومنہ کو۔“ اس نے فوراً ہی اسے پہچان لیا

تھا۔

”آپ کب تک آئیں گے۔ کافی لیٹ ہو گئے ہیں۔“

اس نے اکتلتے ہوئے بات مکمل کی تو سعدون کو خوش گوار احساس نے آن گھیرا۔

”ہاں واقعی آج تو میں لیٹ ہو گیا۔“ اس نے

ریسٹ وارج پر نظر ڈال دیا۔

”آپ یاد کر رہی تھیں مجھے۔“ وہ شرارتی انداز میں

بولتا۔

”جی نہیں۔ خالہ جان نے کہا تھا آپ کو فون کرنے

کا۔ آپ نے ڈاکٹر سے ٹائم بھی لے رکھا تھا۔“ اس

نے فوراً سے پیشتر اپنی پوزیشن کلیئر کی۔

”آہ ظالم لڑکی۔ چند منٹ تو خوش فہمی میں رہنے دیا

ہوتا۔“

اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

”بہر حال یاد دہانی کا شکریہ میں تھوڑی دیر تک پہنچتا

ہوں۔“ اس نے فون بند کر دیا۔

خالہ جان کو بتا کر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔

وہ کچھ سوچتا نہیں چاہ رہی تھی لیکن سوچیں تھیں

کہ دماغ میں اٹدی چلی آ رہی تھیں۔

بینش کی آمد کا مقصد۔؟ سفینہ آیا کی بات ذہن

میں آئی تو وہ الجھ گئی۔ اس نے تو بینش کی آمد کو نارمل ہی

لیا تھا۔ لیکن اب سفینہ آیا کے انکشاف پر اس نے

سوچنا چاہا تو ذہن میں نغمہ بھابھی کی الجھی الجھی نگاہیں

ابھر آئیں۔

”تو یہ بات تھی۔“ اس نے گہرا سانس لیا۔

”لوگ کتنی قیامت کی نظر رکھتے ہیں اور کتنا دور

تک سوچ لیتے ہیں۔“

”ایک آپ ہی کو دنیا کی خبر نہیں ہوتی مومنہ بی بی۔

ورنہ تو یہاں سب ہی باخبر ہوتے ہیں۔“ سعدون کا آہوا

فقرو اس کے ذہن میں گونجتا تو ہونٹوں پر مسکراہٹ آکر

نھہر گئی۔ اس دن سفینہ آپا نے اسے برتھ ڈے وٹ

کرنے کے لیے ٹیلی فون کیا تھا اور اسی شام آفس سے

واپسی پر وہ اس کا فوریٹ چاکلیٹ کیک لے کر آیا تو اس

کی حیران نگاہوں کے جواب میں مسکرا کر اس نے کہا

تھا اور وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی خفیف ہو گئی تھی اپنی

اس ”کو تائی“ پر

”میں واقعی بہت بے خبر ہوں۔“ اس نے فرخ دلی

سے تسلیم کیا۔

سعدون کے کہے اکثر فقرے اب اس کے ذہن

میں آکر اپنی معنویت واضح کر رہے تھے۔

”کیا مجھے خوش ہونا چاہیے۔“ اس نے خود سے

سوال کیا۔ نظروں میں سعدون کا وجہ سر اٹھو م گیا۔

”ناخوش ہونے کی وجہ۔۔۔؟“ اس کے اندر سے

سوال ابھرا۔ ظاہری شخصیت کے ساتھ ساتھ اس کا

باطن بھی خوب صورت ہے۔ یہ اس کی نہیں سعدون

سے متعلقہ ہر شخص کی رائے تھی۔ ایک اچھوتا

احساس اس کے دل کو چھو رہا تھا جسے وہ کوئی بھی نام

دینے سے قاصر تھی۔

”تمن دن ہو گئے ہیں اور مجھے اس کی شکل نظر نہیں

آئی اور آپ کہہ رہی ہیں آپ نے بڑا اچھا کیا جو اسے

بتا دیا۔“ وہ فون پر بری طرح جھنجھلا رہا تھا۔

”مجھے پتا تھا وہ اسی طرح ری ایکٹ کرے گی اسی

لیے میں خاموش تھا۔“

سفینہ آیا کھل کر نہیں جیسے لطف لے رہی ہوں

اس کی کیفیت کا۔

”ہنس لیں آپ دل کھول کر نہیں۔ اب میں آپ

کو یہ دھمکی بھی نہیں دے سکتا کہ آپ پر یہ وقت

آئے گا تو بتاؤں گا۔“ وہ بے چارگی سے گویا ہوا۔

”اچھا اب پریشان مت ہو اور میری بات غور سے

سنو اسے یہ سب کچھ بتانا ضروری تھا۔ تم ذرا نغمہ

بھابھی کا حوصلہ دیکھو جب امی نے انہیں بتا دیا کہ سفینہ

کی خواہش سعدون کے لیے مومی کی ہے پھر بھی بینش

کو بھیج دیا۔ میں تو امی سے کہہ رہی تھی کہ صاف

صاف انہیں بتا دیں کہ تم مومنہ میں انٹرنل ہو لیکن

افس میں کام زیادہ تھا اور کچھ مومنہ اس کا سامنا کرنے سے ہر ممکن کرینہ کر رہی تھی۔ آج افس سے اٹھنے کے بعد اس نے پکارا وہ کر لیا تھا مومنہ سے بات کرنے کا۔ قسمت اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ ہاں کمرے میں ہی پیش سے سامنا ہو گیا۔

”کیا خیال ہے آج ڈنر پارہ کیا جائے۔“ یہ تجویز پیش کی ہی ہو سکتی تھی کوئی اور موقع ہو تا تو سعدون فوراً معذرت کر لیتا لیکن اس وقت ایک ہی سوچ آئی تھی اس کے ذہن میں۔

”کوئی بہانہ تو ملے اسے سامنے بٹھانے کا“ اس کے ذہن میں مومنہ کا سر ہل آیا تھا۔ کافی خوش کن خیال تھا وہ مسکرا دیا۔

”ہاں خیال تو اچھا ہے کافی دن ہو گئے کہیں نکلے نہیں۔“ اس کی آنکھیں چمک اٹھیں تھیں۔

”پھر چلیں۔“

”ہاں باقی سب کو کہہ دیں آپ۔ میں فریش ہو کر آتا ہوں۔“ وہ صاف صاف مومنہ کا نام نہ لے سکا۔

وہ فریش ہو کر آیا تو پیش پہلے سے تیار بیٹھی تھی۔

بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تیار تو وہ ہمیشہ رہتی تھی اب کچھ اور تیار ہو گئی تھی۔

”کہاں ہیں خالہ جان!“ اسے اکیلا بیٹھا دیکھ کر سعدون نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”آئی تو نہیں جا رہیں کہہ رہی تھیں کہ موسم ٹھیک نہیں ہے۔“

”موسم تو برا خوش گوار ہے۔“ وہ بڑبڑایا۔ گھرے سرمی بادلوں نے آسمان کو مکمل طور پر ڈھانپ رکھا تھا۔ سردیوں کی بارش اسے ہمیشہ اچھی لگتی تھی۔

”جی!“ پیش سمجھی وہ اس سے کچھ کہہ رہا ہے۔

”ہاں۔“ وہ چونکا۔ ”کچھ نہیں مومنہ آجائے پھر چلتے ہیں۔“ وہ وہیں بیٹھ گیا۔

”مومنہ تو نہیں جا رہی اسے شاید نمپر پھر ہے۔“

پیش کو پروگرام میں رخنہ اندازی پسند نہیں آرہی تھی۔

”نمپر پھر ہے۔“ سعدون چونکا۔ وہ آج کل جس

امی کی مصلحت پسندی۔ تمہارا ذکر کرنے کے بجائے انہوں نے مجھ پر بات ڈالی ہے اور اسی بات سے نعرہ بھا بھی کو امید ہوئی ہے کہ شاید تم پیش کو پسند کر لو۔

ترپ کا پتا یہی ہے ان لوگوں کے پاس۔ جیسے انہوں نے سلمان بھائی سے شادی کی تھی۔“ سفینہ پاپا تلخ ہوئیں۔

”اور وہ جو تمہاری بڑی بڑی آنکھوں والی حیران دو شیزہ ہے نا وہ بھی ماشاء اللہ ہے۔“ سفینہ آپا نے کہا تو وہ بھی ساری جھنجھلاہٹ بھول کر ہنس دیا۔ ایک بار اس نے سفینہ آپا سے اس کی آنکھوں کی تعریف کی تھی اور اس کے بعد سے وہ اسے اکثر و بیشتر ہی لقب دیا کرتی تھیں۔

”تیزی طراری نام کو نہیں۔ اور کوئی خاص امید نہیں مجھے اس سے کہ وہ پیش کی موجودگی میں حواس قائم رکھے گی۔ مجھے چھٹی مل جاتی تو بے فکری ہو جاتی۔ میں خود یہاں آکر سارے معاملات ہینڈل کر لیتی لیکن پھر تائی جان کا مسئلہ بھی ہے چھوڑ کر کیسے آؤں۔“

انہوں نے سعدون کی امی کا حوالہ دیا۔

”اچھا اب آپ اتنی فکر نہ کریں۔ میں ہوں نا یہاں۔“ سعدون اپنی ناراضگی بھلائے انہیں تسلی دے رہا تھا۔

”تم نہیں جانتے سعدون وہ کتنی اچھی لڑکی ہے جتنا اس کا ظاہر خوب صورت ہے اس سے کہیں زیادہ اس کا دل ہے۔ شفاف، بے ریا۔ ہر قسم کی آلائش سے پاک۔“

”ماشاء اللہ۔ میری تو آپ نے آج تک کوئی ایسی تعریف نہیں کی اور اس پر لگ رہا ہے تھیس لکھ رہی ہیں۔“ وہ فوراً بولا تھا۔

”اس سے پوچھا ذرا جا کر کتنی تعریف کی تھی اس دن میں نے تمہاری۔“

”اچھا واقعی آج پوچھوں گا۔“ وہ شرارتی ہوا۔

”شکر ہے تمہارا موڈ تو ٹھیک ہوا۔“ سفینہ آپا نے شکر کا کلمہ پڑھا۔

اور اس کا موڈ واقعی خراب تھا کچھ تو اسے آج کل

طرح اس کے سامنے آنے سے احتراز برت رہی تھی سو اس کی غیر موجودگی کی طرف سعدون نے کوئی توجہ نہ دی تھی۔

”میں دیکھتا ہوں اسے“ سعدون اسے وہیں چھوڑ کر مومنہ کے کمرے تک آیا تھا خالہ جان وہیں تھیں۔

”کیا ہوا خیریت؟“ وہ جھجک کر دروازے میں رک گیا تھا۔ آج سے پہلے کبھی اس کے کمرے میں آیا جو نہیں تھا۔

”خیریت کہاں۔ دیکھو ذرا بخار میں تپ رہی ہے خالہ بریشان تھیں۔

اسے دیکھ کر مومنہ نے اٹھنے کی کوشش کی۔
”آپ لیٹی رہیں۔“ سعدون نے اسے اٹھنے سے روکا۔

بخار کی شدت سے اس کا چہرہ دیک رہا تھا سعدون نے اس کی پیشانی چھو کر نمپر پھر کا اندازہ کرنا چاہا۔
”مالی گذنیں۔“ چچی نمپر پھر بہت زیادہ ہے۔
”میدھسن کی کوئی۔“

”ہاں صبح سے دو دفعہ دوا لے چکی ہے تھوڑی دیر کے لیے بخار ہلکا ہوتا ہے پھر تیز ہو جاتا ہے۔“

”میں ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔ ابھی تو ٹائم ہے موسم بھی خراب ہے پھر دیر ہو جائے گی۔“

”لے جاؤ بیٹا“ میں بھی شام سے اسے یہی کہہ رہی ہوں یہ مان ہی نہیں رہی۔“

”انہیں اپنی پروا کب ہے جو یہ مانیں گی۔“ سعدون کے انداز میں حلقہ تھکی۔

”چچی ان کو شال دے دیں سردی زیادہ ہے میں گاڑی نکالتا ہوں۔“ سعدون تیز تیز قدم اٹھاتا یا ہر نکل گیا۔

بنیش سعدون کے انتظار میں تھی۔
”کیا ہوا!“ اس نے سعدون کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا۔

”سردی بنیش آپ کاؤ نڈ پو رہا۔ میں مومنہ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جا رہا ہوں۔ آئی ہو پ آپ مائنڈ نہیں کریں گی۔“ اس نے بڑے سجاؤ سے بنیش سے

معذرت کی۔

بنیش کو غصہ تو بہت آیا تھا اپنے آپ کو یوں نظر انداز کر دینے پر لیکن بظاہر اس نے جبری مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر اس کی معذرت قبول کی تھی۔ مومنہ کے لیے سعدون کے لہجہ میں چھپی تشویش سے اسے اس کے دل میں مومنہ کی حیثیت کا اندازہ بخوبی ہو گیا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اتنے بہت سے دنوں سے جو اندازے وہ لگا رہی تھی آج وہ یقین کی صورت پا کر اسے گہری سوچ میں مبتلا کر گئے تھے۔

سعدون نے گاڑی اشارت کی ہی تھی جب مومنہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی خالہ جان کے ہمراہ گاڑی تک آئی تھی۔ سعدون نے فرنٹ ڈور ان لاک کیا۔ وہ اسی خاموشی سے اس کے برابر آ بیٹھی۔

”تمہیں اپنے آپ کو تکلیف دینا اچھا لگتا ہے۔“

گاڑی مین روڈ پر لاتے ہوئے سعدون نے اسے مخاطب کیا۔ آپ کے بجائے اس نے تم کا صیغہ استعمال کیا تھا۔ مومنہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ چہرے پر گہری سنجیدگی لیے وہ سامنے دیکھتا گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

”میں نے کچھ پوچھا ہے۔“ اس کی خاموشی محسوس کر کے ذرا کی ذرا نظر اس پر ڈالتے ہوئے اس نے اپنا سوال دہرایا۔ مومنہ کی گردن بے اختیار نفی میں مل گئی۔

”مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے۔ اتوار کو بھی اتنی شدید سردی میں تم بغیر سویٹر پہنے پانی کا کام کرتی رہیں ٹھیک ہے کپڑے دھونا ضروری تھا لیکن بلا سبب اتنا بڑا صحن دھونا اتنی سردی میں کس عقل مند نے کہا تھا۔

مجھے ایک بات بتاؤ تمہیں اس ساری مشقت کے لیے میڈلز ملنے تھے جو۔“

”میرا گھر ہے یہ۔“ مومنہ نے براہمان کر اس کی بات کاٹی۔ اب بھلا گھر کے کاموں کے لیے بھی ان کے آگے جواب دینا پڑے گا۔ وہ سوچ کر رہ گئی۔

”میں نے بھی یہ نہیں کہا کہ یہ میرا گھر ہے۔ ظاہر ہے آپ ہی کا ہے۔“ اس کے انداز پر سعدون کو ہنسی

آئی تھی جسے اس نے بمشکل قابو کیا۔

”لیکن مادام۔ گھر کے کام کرتے ہوئے بھی موسم کو مد نظر رکھنا چاہیے۔“ مومنہ نے کوئی جواب دیے بغیر سیٹ کی پشت سے سر ہٹا کر آنکھیں موند لیں۔ سر میں درد کی ٹھنسیں اٹھ رہی تھیں۔ جسم کا جوڑوڑو دکھ رہا تھا۔ سعدون صبح کہہ رہا تھا یہ واقعی اسی دن کے ایڈونچر کا نتیجہ تھا۔ تین چار دنوں سے اسے ہلکا ہلکا بخار تھا جو اس کی لاپرواہی سے آج شدت اختیار کر گیا تھا۔

”زیادہ خراب ہے طبیعت۔“ سعدون نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے اندازہ لگانا چاہا۔ بلیک اور مسٹو شمال میں اس کی صبح رنگت بخاری تمازت سے دھب رہی تھی۔ سیاہ بالوں کی کچھ لٹیں کلپ کی قید سے آزاد ہو کر چہرے کا احاطہ کیے ہوئی تھیں۔ چھوٹی سی گلابی ناک کچھ اور گلابی ہو گئی تھی۔ سعدون نے گرا سانس لے کر نظریں اس کے چہرے سے ہٹالیں۔

”یہ لڑکی ہر روپ میں کتنی اچھی لگتی ہے۔“ گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے سعدون نے سوچا تھا۔ اس کی طبیعت اب خاصی بہتر تھی۔ بخار نے چند ہی دنوں میں اسے تڑھال کر رکھ دیا تھا۔ آج وہ کافی دنوں بعد خود کو فریش محسوس کر رہی تھی۔

”شکر ہے ہمارے گھر کی رونق تو بحال ہوئی۔“ خالو جان کو وہ صبح کی چائے دینے آئی تو انہوں نے اسے ساتھ لگا کر دعا میں دی تھیں۔ سعدون بھی اسے چلتا پھرتا دیکھ کر خوشی محسوس کر رہا تھا۔ کتنے عادی ہو گئے تھے وہ سب لوگ اس نازک سی لڑکی کے اور تو اور سب کے ساتھ ساتھ بیشش نے بھی اس کے صحت یاب ہونے پر شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔ وہ چند دنوں میں ہی بری طرح بور ہو گئی تھی۔ مومنہ سے وہ اوہرا دھر کی باتیں کر لیا کرتی تھی اب خالہ جان سے وہ کیا باتیں کرتی۔ سو ان دنوں میں وہ خوب ہی بور ہوئی۔ نعیمہ بھابھی کو فون کر کے اس نے پہلی دفعہ شکوہ کیا تھا کہ انہوں نے کہاں پھنسا دیا۔ لیکن نعیمہ بھابھی نے اس کو سعدون کو زیر کرنے سے متعلق ضروری نصیحتوں کے ساتھ ساتھ

خالہ اور خالو کے دل میں گھر کرنے کے بھی چند گریباں تھے جنہیں بیشش نے ہیٹ کی طرح درخور اعتنا نہ جانا کہ اس کے سامنے کرنے کو اور بہت کچھ تھا۔ جس پر آج کل وہ کافی غور کر رہی تھی۔

بیشش کا رویہ مومنہ کے ساتھ برا تو پہلے بھی نہیں تھا اب کچھ اور بھی اچھا ہو گیا۔ وہ زیادہ وقت مومنہ کے ساتھ ہی گزارنے لگی۔ مومنہ کچن میں مصروف ہوتی تو وہ بھی وہیں چلی آتی۔ باتیں بھی کرتی رہتی اور مومنہ کے ڈھیروں کام بھی نبھادیتی۔

”تم آگلی اتنی دیر تک کچن میں لگی رہتی ہو میں نے سوچا کچھ ہلپ ہی کروادوں۔“ جب پہلی مرتبہ کچن میں آکر اس نے دوستانہ انداز میں کہا تھا تو مومنہ نے بڑی فراخ دلی سے اسے ویلکم کیا تھا۔ اس وقت بھی وہ دونوں کچن میں ہی تھیں۔

آج کامینیو بھی بیشش نے ہی ترتیب دیا تھا۔ کافی دیر ہو گئی تھی ان دونوں کو کچن میں لگے ہوئے۔ مومنہ حیرت سے اس کے ماہرانہ ہاتھوں کو تیزی سے کام کرتا دیکھ رہی تھی۔ بیشش واقعی نعیمہ بھابھی سے مختلف ہے۔ نعیمہ بھابھی تو بارے باندھے ہی کو کنگ کیا کرتی تھیں۔ نتیجہ بھی اس کی فریڈلی ہے میں خواہ مخواہ اس سے کچنی ہوئی تھی۔ اس کا دل بالآخر حتمی نتیجے پر پہنچ ہی گیا۔

پھر اکثر وہ بیشتر وہ اکٹھے ٹائم گزارنے لگیں۔ بولتی زیادہ تر بیشش ہی تھی مومنہ خاموشی سے سنتی رہتی پھر بھی اس کا ٹائم اچھا گزرنے لگا۔ ”تم پر بلیک کلر کافی سوٹ کرتا ہے۔“ بیشش ڈرینک ٹیبل کے آگے بیٹھی اپنے ہاتھوں پر کریم لگا کر مساج کر رہی تھی۔

مومنہ کی بات پر اس نے مسکرا کر آئینے میں اپنا عکس دیکھا تھا۔

”ہاں سعدون بھی آج یہی کہہ رہے تھے۔ لیکن تم یہ بتاؤ تمہاری اسکن اتنی رف ہو رہی ہے تم فیشل وغیرہ کیوں نہیں کرواؤ۔“ بیشش نے فوراً ہی اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ لیکن مومنہ کا ذہن بیشش کی پہلی ہی بات میں الجھ گیا۔

سعدون نے مجھ سے تو کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی

بہت دیر سے اٹھتی تھی سو وہ فریش بیٹھی انگلیش مووی دیکھ رہی تھی۔ پھر اسے جیسے مومنہ پر ترس سا آیا۔
 ”تم سو جاؤ مووی اتنی نیند آرہی ہے تو۔“
 ”سعدون آجائیں تو سوؤں گی۔“ اس نے بمشکل جمالی روکی۔

”کیوں کیا سعدون خود سے کھانا نہیں لے سکتا۔“
 بینش نے اعتراض کیا۔

”تم خود کو ہر چیز کے لیے یوں ہی ہلکان کرتی ہو۔“
 بینش سعدون کے لیے اب آپ جناب کا تکلف نہیں کرتی تھی کم از کم اس کی غیر موجودگی میں۔
 ”کھانا تو لے لیں گے لیکن۔“

”لیکن ویکن چھوڑو اور جا کر سو جاؤ۔“ بینش نے اسے زبردستی اٹھانا چاہا۔

”اچھا بابا میں گرم کر دوں گی۔ ایمان سے مجھے تم پر شدید ترس آ رہا ہے بلکہ غصہ بھی آ رہا ہے۔ اتنی بامروت لڑکی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔“ اس کی ہچکچاہٹ دیکھ کر بینش نے اس کی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہوئے اسے اپنائیت بھرے انداز میں ڈنڈا۔

نیند اسے واقعی آرہی تھی سو تشکر آمیز مسکراہٹ سے اسے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی ہاں نیند بھی اس سے بینش کا موازنہ کر کے اس نے کچھ اور نمبر بینش کے پلڑے میں ڈال دیے تھے۔ وہ اس کے خلوص سے متاثر ہو کر اپنی شروع کے دنوں میں اس کے متعلق قائم شدہ رائے پر شرمندہ تھی۔

”سفینہ آیا بھی نابھ ایسے ہی اس کے متعلق دل برا کر رہی تھیں۔“ اس نے پکارا وہ کر لیا تھا سفینہ آیا کو بینش کے متعلق بتانے کا۔

سعدون بھی حیران ہوا تھا اس روٹین پر۔ اسے ہرگز اچھا نہیں لگتا تھا بینش کو رات کے اس پہر اپنے انتظار میں بیٹھا دیکھ کر۔ یہی بات اس نے سجاؤ سے بینش سے کہی تھی تو اس نے بڑے جرات سے ہوئے انداز میں اس سے کہا تھا کہ مومنہ کی بھی تو یہی روٹین تھی اور وہ اسے کیسے کہتا کہ مومنہ اور اس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ مومنہ کی جھکی جھکی شخصیت اور بینش کے

وہ سوچنے لگی۔ اس کا دھیان بینش کی دوسری بات پر بھی نہیں گیا تھا کہ وہ اس کی گلابی بے داغ رنگت کو رف کہہ رہی تھی۔ اسے سعدون کے متعلق بینش کا انکشاف اچھا نہیں لگتا تھا۔ شک کا بیج دل میں بو دیا گیا تھا۔

پھر وقتاً فوقتاً بینش کی باتوں میں سعدون کا ذکر رہتا گیا اور مومنہ ایک بار پھر خود ترسی کا شکار ہونے لگی۔ کبھی کبھار اسے بینش سے جیلمسی محسوس ہوتی لیکن پھر وہ فوراً ”سر جھٹکتی وہ ہے ہی اتنی خوب صورت ظاہر ہے سب ہی کو اچھی لگے گی۔ وہ افسردگی سے سوچتی۔ اس کی آنکھوں پر وہی پٹی بندھ گئی تھی۔ جو بینش باندھنا چاہتی تھی۔

اسے بینش کے شوئڈر کٹ خوبصورت بال اچھے لگتے وہ بھول جاتی کہ ایک دنیا اس کے لمبے سلکی بالوں کی تعریف کرتی ہے۔ بینش جو پہنتی اس کے وجود پر جج جاتا وہ متاثر ہو کر اسے دیکھ کر رہ جاتی۔ کیونکہ اس سے سچے صاف ستھرے ہاتھ پاؤں دیکھ کر ایسے اپنے محرومی انگلیوں والے ہاتھ بھی کچھ خاص نہ لگتے۔ نازک نازک اسٹریپس والے اسٹائلش شوڈز پہنے اس کے پاؤں مومنہ کا دل جھنجھ لیتے۔

حقیقت یہ تھی کہ بینش خوب صورت ضرور تھی لیکن اتنی نہیں جتنا اس نے اپنی کیمز کر کے اور اپنی ڈرائنگ کے ذریعے اپنی پرسنالٹی کو برکش بنا رکھا تھا اور مومنہ بینش کی ہر بات پر یقین کر رہی تھی۔ جو وہ اسے کہتی۔ دو جبار دفعہ بینش کے توجہ دلانے پر اسے بھی اپنی اسکن رف لگنے لگی تھی بال ڈل اور کپڑے پھیکے پھیکے رنگوں کے۔

”چلو کچھ نہیں ہوتا میں نے کسی بیوٹی کانٹسٹ میں حصہ تھوڑی لیتا ہے۔“ وہ خود کو تسلی دیتی۔

سعدون آج کل مصروف بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ پہلے مومنہ کو اس کے انتظار میں جاگنا پڑتا تھا لیکن اب یہ ذمہ داری بھی بینش نے اپنے سر لے لی۔

اس روز ساڑھے گیارہ ہو رہے تھے۔ وہ نیند سے نڈھال سعدون کا انتظار کر رہی تھی۔ بینش چونکہ صبح

دعوت دیتے انداز کسی طور بھی موازنے کے قابل نہ تھے۔ تنگ آکر سعدون نے چپ سادھ لی۔ بینش کے پاس البتہ اب مومنہ کو بتانے کے لیے سعدون کی بہت سی باتیں ہوئی تھیں۔

”کل سعدون میری اسمائل کی تعریف کر رہے تھے۔ تو یہ ہے اتنا بناتے ہیں تاکہ اگلا بندہ ہواؤں میں اڑنے لگے۔“ بینش ہنس رہی تھی اور مومنہ کے سائیں سائیں کرتے دماغ میں ایک ہی فقرہ گونج رہا تھا۔

”آپ ہنستی رہا کریں ہنستی ہوئی اچھی لگتی ہیں۔“ مومنہ کا دل خراب ہو گیا۔ افسردہ ہو کر وہ پچھلے محسن میں آ بیٹھی۔

”بینش صحیح کہتی ہے مردوں کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ مرد تو ڈال ڈال پھرنے والا بھنورا ہے۔“ وہ اب بینش کے ذہن سے سوچنے لگی تھی۔ بینش نے مردوں کی بے وفائی کے ایک درجن قصے اسے سنا کر یہ فقرہ بولا تھا۔ جس پر مومنہ نے اس وقت تو دھیان نہیں دیا لیکن اب سعدون کی بات پر نبجانے کیسے یاد آ گیا تھا۔

اس نے نوٹ کیا سعدون اب کچھ زیادہ ہی سنجیدہ رہنے لگا تھا۔ اس سے بھی بلا ضرورت مخاطب نہ ہوتا۔ وہ شکفتگی جو پہلے مومنہ کو اپنے لیے اس کے لہجے میں محسوس ہوتی تھی وہ مفقود ہو چکی تھی۔ مسکراتی آنکھیں اب گہری سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ چکی تھیں۔

”کیا سعدون واقعی مجھ سے آگیا گئے۔“ گھبرا کر اس نے سوچا۔

”سفینہ آپا تو کہتی تھیں کہ وہ مجھے پسند کرتے ہیں۔“

”سفینہ آپا بھی شاید اسی وجہ سے خدشات کا شکار تھیں انہیں بھی مرد کی فطرت کا پتا ہو گا نا۔“ وہ نتیجہ اخذ کرنے میں ہمیشہ سے اتنی ہی ماہر تھی اس نے یہ نہیں نوٹ کیا کہ سعدون کی سنجیدگی بینش کے سامنے کچھ اور گہری ہوتی تھی۔

”اور دیے بھی سعدون نے خود سے تو مجھے کبھی

نہیں کہا کہ میں انہیں اچھی لگتی ہوں۔ یہ یقیناً سفینہ آپا کی ہی خواہش ہوگی۔“ وہ ایک اور نتیجہ اخذ کرتی۔ سعدون نے بینش کو سفید گلوں والی گولڈ کی نازک سے رنگ گفٹ کی تھی۔ بینش نے اپنا نازک سا ہاتھ اس کے سامنے لہرا کر ایک ادا سے بتایا تھا۔ وہ غیر بینشی کی کیفیت میں اس کے چہرے پر چھائے رنگ دیکھ کر رہ گئی۔ رنگ گفٹ کرنے کا کیا مطلب ہوتا ہے وہ بخوبی جانتی تھی۔

”کیا ہوا ہے تمہیں؟“ بینش مصنوعی تشویش سے اس کی جانب جھکی۔

”آل کچھ نہیں۔“ وہ بدقت تمام سنبھلی۔ اسے اپنا وقار اور بھرم سب سے زیادہ عزیز تھا وہ اگلے ہی پل اسے مبارک باد دے رہی تھی۔ پھر بینش نے کتنی ہی باتیں کیں اس سے سعدون کے متعلق۔ وہ مسکرا ہٹ لبوں پہ سجائے سنتی چلی گئی۔

طبیعت پر چھائے جمود کی تہ کچھ اور دیر ہو گئی تھی۔ تو ثابت ہو گیا کہ یہ خواہش سفینہ آپا کی تھی اور سفینہ آپا کی خواہش پوری کرنا اتنا مقدم تو نہیں کہ وہ اپنے دل کی خواہش سے دستبردار ہو جائیں۔

اس نے سعدون کو ہری الذمہ قرار دیا۔ اس نے اگرچہ سعدون کے متعلق شعوری طور پر کچھ نہیں سوچا تھا لیکن پھر بھی دل میں ایک احساس پیدا ہوا تھا سفینہ آپا کی باتوں اور سعدون کی مسکراتی نظروں اور ذمہ معنی فقروں سے اور یہی احساس اب اسے تکلیف دے رہا تھا۔

”کیا ہوا ہے تمہیں۔“ اتنے روز بعد سعدون نے نرم لہجہ میں اسے مخاطب کیا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ جیسے اس کی آنکھوں کی اداس تحریر پڑھ کر سعدون کچھ بے چین سا ہوا ہے۔ اس کی آنکھوں میں نمی سی اثر آئی جسے چھپانے کو اس نے سرخ پھیر لیا۔

”بینش ایک دن کے لیے اپنے ماموں کے گھر گئی ہوئی تھی وہ نظر نہیں آئی تو مجھ پر نظر کرم ڈال رہے ہیں۔“ وہ سرخ ہوتی سوچوں کے ساتھ وہاں سے اٹھ آئی۔ سعدون پر سوچ لگا ہوں سے اسے وہاں سے جانا دیکھا

سارے وجود کو زہر آلود کر دیا تھا۔

یہ رات اس نے جیسے جلتے توے پر گزاری تھی۔ اتنی تکلیف تو اسے بینش کے ہاتھ میں سعدون کی دی ہوئی رنگ دیکھ کر نہیں ہوئی تھی جتنا سعدون کے الفاظ نے اسے زخمی کر دیا۔ اب اسے پتا چل گیا تھا کہ نعیم بھابھی نے یقیناً "فون پر خالہ جان سے سعدون اور بینش کے رشتے کی بات کی ہوگی جب ہی خالہ اداس اور خالو غصے میں تھے۔ یہی بات ہوگی جب ہی خالو جان نے سلمان بھائی کو یہاں آنے سے منع کیا ہے۔ ساری کہانی اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔

ساری رات جاگ کر گزارنے کے بعد وہ سعدون کے آفس جاتے ہی خالہ جان کے پاس آئی تھی۔ "خالہ جان میں کچھ دنوں کے لیے اپنے گھر چلی جاؤں۔" اس کے انداز میں لجاجت تھی۔

"کیوں بیٹا!" خالہ جان نے اپنے بوڑھے ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھما انہیں اس کی ویران آنکھیں دیکھ کر خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں اس نے کچھ سن تو نہیں لیا۔ "بس خالہ پور ہو رہی ہوں۔ کچھ دنوں میں آجاؤں گی۔"

وہ خالہ کو بہت بڑی آزمائش سے بچا رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اسے گھر جانے کے لیے کتنا خالہ کے لیے دشوار ترین امر ثابت ہوگا۔

"تمہاری مرضی ہے۔ بہر حال ایک بات یاد رکھو تم نے لوٹ کر میس آنا ہے۔" خالہ جان نے مضبوط لہجے میں اسے نہ جانے کیا یقین دلانا چاہا تھا۔ وہ لب کھلتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ خالو جان نے اسے جلتے سے ساتھ لگا کر ڈھیروں دعائیں دی تھیں۔ اسے لگا اس کے جسم میں دھکتے انگاروں پر پھواری برس رہی ہو۔ کچھ بھی تھا وہ خالہ جان اور خالو کی بے لوٹ محبت پر کبھی شبہ نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے منزل کو فون کر دیا وہ اسے آکر لے گیا۔ سعدون آفس سے لوٹا تو مومنہ وہاں نہیں تھی۔ اسے اس کی غیر موجودگی سے کیا فرق پڑنا تھا یہ اسے پتا تھا۔ سارے گھر کی طرح اس کا اپنا دل بھی خالی خالی لگ

رہا۔ بینش تو واپس نہیں آئی۔ البتہ نعیم بھابھی کا فون آ گیا۔ گھنٹا بھر وہ خالہ جان کے ساتھ مصروف گفتگو رہیں۔ بتا نہیں انہوں نے کیا کہا تھا کہ خالہ جان کا چہرہ اداس ہو گیا تھا۔

خالو جان کو اس نے پہلی بار جلالی موڈ میں دیکھا۔ "تم سلمان کو فون کر کے کہہ دو کہ آئندہ ہمارے پاس نہ آئے۔" وہ غصے میں یہاں سے وہاں ٹہل رہے تھے۔ خالہ جان خاموش تھیں انہوں نے پہلے ہی سلمان بھائی کو فون کیا تھا۔ سلمان بھائی خود شرمندہ تھے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ انہوں نے دل کھول کر ماں کے سامنے رکھا تھا۔ انہیں اپنے بچوں سے پیار تھا اور ان ہی بچوں کے لیے وہ نعیم بھابھی سے کم ہر دما ز کیے ہوئے تھے۔

"آخر کیا کیا ہے نعیم بھابھی نے خالو جان اتنے خفا کیوں ہیں۔" اس سے رہا نہیں گیا تو خالہ جان سے پوچھ بیٹھی۔

"کچھ نہیں بیٹا، عادت ہوتی ہے بعض لوگوں کی تم چھوڑو اس کا ذکر۔" انہوں نے ٹال دیا۔

"بینش کب واپس آئے گی۔" اس نے اگلا سوال کیا۔

"وہ چلی گئی لاہور۔" خالہ جان کا یہ جواب اس کے لیے زیادہ حیرانگی کا باعث تھا۔

سعدون خالہ جان اور خالو جان رات کافی دیر تک بیٹھے رہے۔ وہ چائے لے کر گئی تھی سعدون اسی کے متعلق بات کر رہا تھا۔

"اس چچا! آپ پلیز جذبات کو ایک طرف رکھ کر سوچیں تو آپ کو میری بات درست لگے گی۔ مومنہ کو اس کے گھر بھیجا دیں۔ اب یہاں اس کی موجودگی میرے لیے تکلیف دہ ہے۔" اس کی آواز بھی کہ ہم جو مومنہ کی سماعتوں پر آگرا تھا۔ وہ اب تیز تیز بول رہا تھا۔ مومنہ اپنے سونے ہوئے جسم کو گھسیٹتی اپنے کمرے میں چلی آئی۔ سماعتوں میں سعدون کا کہا ہوا فقرہ گونج رہا تھا۔ احساس ذلت نے ایک پل میں ہی اس کے

رہا تھا۔ لیکن پھر بھی مطمئن تھا۔

گھر آکر اس کے وجود پر چھائی وحشت کچھ اور بڑھ گئی۔ اسے لگتا وہ اپنی کوئی بہت اہم چیز وہیں چھوڑ آئی ہو۔

دن آہستہ آہستہ لمبے ہو رہے تھے۔ سارا دن وہ جلے پیر کی ملی کی مانند یہاں سے وہاں پھرا کرتی۔ اٹھانے میں اس کا بہت بڑا نقصان ہو گیا تھا جس سے وہ خود بھی اس سے پہلے آگاہ نہیں تھی۔

ابا اباں اس کی آمد سے اتنے خوش تھے کہ وہ اس کے اندر کی بے چینی نوٹ ہی نہ کر پائے۔ سارا دن وہ سب کے ساتھ مصروف رہنے کی کوشش کرتی لیکن رات کو تکیے میں منہ دیے وہ بے آواز روئے جاتی۔ پھر ایک روز بیٹش کا فون آیا۔

”تم گھر کیوں آگئیں۔“ وہ بہت نارمل انداز میں مومنہ سے مخاطب تھی۔

”بس ایسے ہی پور ہو رہی تھی۔“ مومنہ نے اسے بھی وہی جواز دیا جو باقی سب کو دے رہی تھی۔

”چلو اچھا کیا۔ مومنہ۔“ بیٹش نے ایک لمحہ کو توقف کیا۔

”مومنہ تم سعدون کو پسند کرتی ہوتا۔“ بیٹش نے پوچھا تو وہ چپ رہ گئی۔

”سعدون نے مجھے ایک بار بتایا تھا۔ اس وقت تو میں اسے مذاق سمجھی تھی۔ لیکن اب پتا چلا ہے کہ یہ بات سچ تھی۔ ایمان سے مومنہ اگر مجھے اس بات کا پہلے پتا چل جاتا تو میں کبھی سعدون کی حوصلہ افزائی نہ کرتی لیکن بہر حال دیر آید درست آید میں نے سعدون کا پریوئل ریجیکٹ کر دیا ہے۔ تم مجھ سے بدگمان نہ ہونا۔ میں نے قطعی تمہارے راستے میں نہیں آنا چاہا تھا۔ جو کچھ ہوا اتفاق سے ہوا تم سمجھ رہی ہونا۔“ بیٹش اپنا آخری داؤ کھیل رہی تھی۔

مومنہ نے فون بند کر دیا۔ جو چھپو وہ کلوز کر چکی تھی اب اسے کید نے کا کیا فائدہ۔

بیٹش سعدون کا پریوئل قبول کرے نہ کرے اسے کیا لیا تارنٹا۔ چند روز بعد ہی سفینہ آپا کا فون آگیا۔

”مومی تم فکر نہ کرنا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پریشان تو تم ہو رہی ہو گی مجھے پتا ہے تمہارا لیکن چندا زندگی میں ہر طرح کی صورت حال کو فیس کرنا پڑتا ہے۔ معاملہ تو تقریباً حل ہو ہی گیا ہے۔ میں اور مائی جان جلد آئیں گے تمہارے گھر سعدی کے لیے شہر میں مانگنے کے لیے تم خوش رہا کرو۔“ وہ اسے تسلی دے رہی تھیں۔

”سفینہ آپا پلیز آپ ضرور آئیے گا لیکن سعدون کا رشتہ لے کر ہر گز بھی نہیں۔“ اس کی آواز میں قطعیت تھی۔

”مومی میری جان optimist بنو۔ چند لوگوں کے بکواس کرنے سے ہم خود پر خوشیوں کے دروازے تو بند نہیں کر سکتے۔ پہلے ہی مجھے سعدون کی وجہ سے اتنی دیر ہو گئی۔ اب تم جذباتی مت بنو۔“ انہوں نے پیار بھرے انداز میں اسے ڈنٹا۔

”کچھ بھی ہو سفینہ آپا لیکن حقیقت جاننے کے بعد کمپرومائز کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔“

”کون سی حقیقت اور کیا کمپرومائز۔“ سفینہ آپا حیران ہو رہی تھیں۔

”میں آپ کی محبت اور سچائی پر شک نہیں کر رہی۔ سفینہ آپا میں جانتی ہوں آپ نے میرے لیے گراؤنڈ ہموار کرنے کی کتنی کوششیں کی ہوں گی لیکن بیٹش سے انکار سننے کے بعد سعدون اگر مجھ سے شادی پر راضی ہو بھی رہے ہیں تو میں ایسا نہیں چاہتی۔ خالو جان کہتے ہیں ناکہ انسان اپنا وقار بچالے تو کبھی خالی ہاتھ نہیں رہتا۔ آپا میری رگوں میں بے شک خالو جان کا خون نہیں لیکن میری تربیت تو انہوں نے ہی کی ہے نا۔ لہذا مجھے بھی اپنا وقار سب سے زیادہ عزیز ہے۔“ وہ مستحکم لہجے میں بول رہی تھی۔ اتنے دنوں سے وہ جذباتی طور پر جس ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی اس کے لہجے اور الفاظ سے اس کا قطعی اندازہ نہیں ہو رہا تھا اور سفینہ آپا نے تو اس کی باقی بات سنی ہی نہیں۔ ان کا وحیان تو ایک ہی جملے میں اٹک گیا تھا۔

”بیٹش کے انکار کے بعد۔“

لگا جیسے کسی نے پوری طاقت سے اس کے جسم سے جان نکالی ہو۔ گھٹنوں میں منہ چھپا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ یوں لگ رہا تھا میلوں سفر کر کے وہ تپتے صحرا میں آکھڑی ہو۔ دو مسکراتی آنکھیں اس کے ذہن میں نقش ہو کر رہ گئی تھیں۔



رات کا پچھلا پہر تھا جب خالو جان کے سینے میں درد اٹھا۔

سانس کی تکلیف تو انہیں برسوں سے تھی لیکن دل کا کبھی کوئی مسئلہ نہیں رہا تھا۔ خالہ گھبرا کر سعدون کو اٹھا لائیں۔ خالو جان درد کی شدت سے نیم بے ہوش تھے۔ ان کی حالت دیکھتے ہی سعدون تیزی سے انہیں اٹھا کر گاڑی میں ڈال کر ہسپتال لایا تھا۔ خالہ بھی اس کے ساتھ تھیں۔ شدید ہارٹ اٹیک تھا۔ خالو آئی سی یو میں تھے۔ خالہ کا برا حال تھا اتنا مشکل وقت اور اکلوتا بیٹا بھی پاس نہیں تھا۔ اولاد ایسے ہی وقت میں تو کام آتی ہے اور وہ یہ مشکل وقت بھی اکیلی ہی جھیل رہی تھیں۔ اگر سعدون بھی نہ ہوتا تو۔

اس کے آگے وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھیں بس ایک جھرجھری سی آجاتی تھی۔ سعدون انہیں مسلسل حوصلہ دے رہا تھا۔ سفینہ آیا اور سلمان بھائی کو وہ پہلے ہی فون کر چکا تھا لیکن دونوں کا ہی اتنی جلدی پہنچنا محال تھا۔

صبح ہوتے ہوتے خالو جان کی حالت کچھ سنبھلی تھی۔ لیکن ابھی وہ آئی سی یو میں ہی تھے۔

”منیر کو بھی فون کر دو۔“ خالہ کو صبح ہوتے ہی یاد آیا تو انہوں نے سعدون سے مومنہ کے ابا کو فون کروایا۔ وہ لوگ آوے گھنٹے کے اندر اندر ہسپتال میں تھے۔ مومنہ اس کی اماں اور ابا۔ مومنہ تو خالہ جان سے لپٹ کر سارا ضبط کھو بیٹھی۔

”اگر خالو جان کو کچھ ہو جاتا تو۔“

اس خیال سے ہی اس کے دل کو کچھ ہو رہا تھا۔ وہ خالو جان سے اتنا ہی پیار کرتی تھی جتنا اپنے مگے باپ

سارا معاملہ ان کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ انہوں نے مزید کوئی بات سننے بغیر فون بند کر دیا۔

ایکسٹینشن پر سعدون ان کی ساری گفتگو سن رہا تھا وہ رات ہی یہاں پہنچا تھا۔ اتنے دن بعد مومنہ کی آواز سننے کی ساری خوشی بھک سے اڑ گئی۔ وہ تو اپنے تئیں بہت بڑی خوش خبری سن رہا تھا مومنہ کو اسے علم ہی نہیں تھا مومنہ کے دل و دماغ میں بپا اس طوفان کا اسے مومنہ کی باتوں سے صورت حال کی سنگینی کا صحیح اندازہ ہو رہا تھا۔

بینش کے بہاولپور میں قیام کے دوران اس نے پوری کوشش کی تھی بینش کو خود سے دور رکھنے کی، اسی طرح وہ اپنا دامن بچا سکتا تھا۔ آفس سے وہ حتی الامکان لیٹ آیا کرتا تھا۔ دن میں بھی اگر گھر ہوتا سنجیدگی کا لباہہ چڑھائے رکھتا۔ اس کا خیال تھا کہ بینش اس کی سرد مہری سے مایوس ہو کر لوٹ جائے گی ویسے بھی اسے بتا دیا گیا تھا سعدون کی مومنہ میں دلچسپی کے متعلق تا صرف سفینہ آپانے بلکہ خالہ جان نے بھی۔ لیکن بینش اس کی توقع سے زیادہ ذہین نکلی۔ اس نے سعدون کے بجائے مومنہ کو ٹارگٹ بنایا تھا اور بڑی مہارت سے مومنہ کو سعدون سے بدگمان کر کے راستے سے ہٹانا چاہا تھا۔ ساری صورت حال کو ہاتھ سے ٹکٹا دیکھ کر بھی اس نے تپ کا آخری پتا ٹھیل دیا تھا اس امید پر کہ وہ سعدون کو حاصل نہ کر سکی تو سعدون کو بھی مومنہ نہ ملے۔

”شٹ۔“ سعدون نے ہاتھ پہ مکا مارا۔

سفینہ آپا سہا تھوں میں تھامے بیٹھی ہوئی تھیں۔

”میں نے تم سے کہا تھا تا سعدی کہ نیچہ بھا بھی کی ہن ان کی جیسی ہی ہوگی۔“

ان کی آواز میں تاسف تھا۔

انہیں مومنہ پر غصہ بھی آ رہا تھا اور وہ جس جذباتی ٹوٹ پھوٹ سے گزر رہی تھی اس کا اندازہ کر کے دکھ بھی ہو رہا تھا۔

اور مومنہ سفینہ آپا سے بات کرتے ہوئے جس حوصلے کا ثبوت دے رہی تھی فون بند ہوتے ہی اسے

”تمہارے خالو ٹھیک ہیں اب۔ حوصلہ کرو۔“
خالہ نے اسے بازوؤں میں سمیٹ کر سینے سے لگالیا تھا۔
کیسی حرارت مل رہی تھی انہیں مومنہ کے وجود سے۔

”میری اولاد میرے پاس ہے تو سہی۔“ انہوں نے
رات والی مایوس سوچوں کو جھٹک کر شکر کا کلمہ پڑھا۔
سعدون ابا کو ڈاکٹروں کی رپورٹ بتا رہا تھا۔ مومنہ
نے اس تمام عرصے میں پہلی بار سعدون کی طرف
دیکھا۔ اسی لمحہ سعدون نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا
تھا۔ پھر نظریں ملتے ہی سعدون نے رخ پھیر لیا۔
کتنی کمزور ہو گئی تھی وہ۔ اس وقت تو واقعی وہ حزن
کا پیکر لگ رہی تھی۔ اس کے دل کو کچھ ہوا لیکن وہ اس
سے ناراض بھی بہت زیادہ تھا۔ سو ابا کے ساتھ
مصروف گفتگو رہا۔ ایک بار بھی اس کے پاس آکر تسلی
کے دو بول نہ بولے۔

کچھ دیر میں خالو جان کو پرائیویٹ روم میں شفٹ کر
دیا گیا۔ ایک رات میں ہی وہ بالکل سفید ہو کر رہ گئے
تھے۔ جیسے کسی نے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ مومنہ نے
ان کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگایا تو ایک بار پھر حوصلہ ختم
ہو گیا۔

”اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو۔“ وہ ان سے لپٹی ہچکیوں
سے رو رہی تھی۔

خالو جان اپنے نحیف ہاتھ سے بدقت اس کے سر
اور کمر کو سہارا ہے تھے۔

”ایسا مت کرو مومی پچا کے ساتھ ساتھ تمہاری
طبیعت بھی خراب ہو جائے گی۔“ سعدون نے نرم
لہجے میں پہلی بار اسے مخاطب کیا۔ ساتھ ہی شانوں سے
پکڑ کر اسے خالو جان سے الگ کیا۔

”پتا نہیں کتنے آنسو اس لڑکی کے اندر جمع ہو گئے
ہیں۔“ سعدون اسے مسلسل سوں سوں کر تادیکھ کر
نأسف سے سوچ رہا تھا۔

پھر خالہ جان کو ابا کے ساتھ زبردستی گھر بھیج کر وہ اور
اماں سعدون کے ساتھ ہسپتال میں رک گئے تھے۔

خالہ کو ابا اپنے گھر لے گئے تھے۔ اکیلے گھر میں وہ
بھلا کیا آرام کر تیں۔ الٹی سیدھی سوچوں سے گھبرا کر
انہوں نے پریشان ہی ہونا تھا۔ کچھ دیر میں سفینہ آیا اور
سلمان بھائی بھی پہنچ گئے تھے۔ سلمان بھائی شرمندہ
شرمندہ تھے۔ نعیمہ بھابی نے نہ آنا تھا نہ آئیں۔
بقول سلمان بھائی ثانی کی طبیعت بھی خراب تھی اور
خود نعیمہ کی بھی۔ لیکن جانتے تھے کہ یہ صرف بہانہ
ہے۔ حقیقت تو یہ تھی کہ سلمان بھائی انہیں خود ہی
نہیں لائے تھے ایسے نازک موقع پر وہ اپنے ماں باپ کو
مزید کوئی ٹینشن دینا نہیں چاہتے تھے۔

دن میں خالو جان کے پاس وہ رکتی اور رات کو سفینہ
آیا۔ اسی طرح سعدون اور سلمان بھائی کیا کرتے۔
مومنہ سعدون کا زیادہ سامنا کرنے سے کتراتے تھی۔
سعدون نے بھی اس تمام عرصے میں انتہائی ضروری
بات کرنے کے علاوہ اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔

اس وقت بھی سفینہ آیا آرام کی غرض سے مومنہ کو
سعدون کے ہمراہ گھر بھیج رہی تھیں۔
”سلمان بھائی آئیں گے تو میں چلی جاؤں گی آپا۔“
اس نے دامن بچانا چاہا۔

”چلی جاؤ گڑیا۔ سلمان ابھی تو گیا ہے اپنے کام سے
۔ دوپہر تک ہی لوٹے گا۔“ سفینہ آپا سے جھنجھٹے پر بھند
تھیں۔ سعدون کچھ دیر یوں کھڑا جوتے کی نوک سے
زمن کرید رہا تھا جیسے اسے اس ساری بحث سے کوئی
دلچسپی نہ ہو۔

سفینہ آپا کے اصرار کے آگے مومنہ کو مانتے ہی بنی

وہ اندر جا کر اپنا شولڈر بیگ اٹھا لائی۔ سفینہ آپا
سعدون سے کچھ بات کر رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر
خاموش ہو گئیں۔ سعدون اسے دیکھ کر آگے بڑھ گیا۔
وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چلتی گاڑی تک آئی تھی۔
سعدون کے اجنبی انداز اسے آج بھی دکھ دیتے
تھے۔

نحتی سے لب بھنے وہ مکمل سنجیدگی سے ڈرائیونگ
کر رہا تھا۔

ہو گا تمہیں مجھ پر۔“ سعدون حتمی انداز میں کہتا ہوا گاڑی سے اترتا تو اسے بھی نکلتے ہی مئی۔
 ”ایک اعتماد ہی تو تھا اس پر جو اب تک باقی تھا۔“
 اس کے پیچھے اندر آتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔
 گھر میں داخل ہوتے ہی عجیب سی ویرانی اور سناٹے نے ان کا استقبال کیا تھا۔

وہ کتنے دنوں بعد یہاں آئی تھی۔ دل ایک دم سے اداس ہو گیا۔ یہ گھر کتنی اہمیت رکھتا ہے اس کی زندگی میں کوئی بھی نہیں جانتا۔ شاید وہ خود بھی نہیں جان سکتی تھی اگر اسے گھر بدر نہ ہونا پڑتا۔ وہ برآمدے میں بچے تخت پر بیٹھ گئی۔

”چائے پیو گی یا کافی۔“ صحن میں لگے واش بیسن پر کھڑا منہ پر پانی کے چھینٹے مارتا وہ بڑے دوستانہ انداز میں اس سے مخاطب تھا۔ کافی دنوں سے تنہ ہوئے اعصاب ریلیکس ہو چکے تھے۔

”کچھ بھی نہیں۔ آپ پلیز جلدی کریں اور مجھے میرے گھر لے چلیں۔“ مومنہ کے انداز میں قطعیت تھی جسے نظر انداز کرتا ہوا وہ بڑے اطمینان سے یکن میں چلا گیا۔

مومنہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔

سب کچھ ویسا ہی ہے جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ اس نے ارد گرد نظر دوڑائی۔

”کتنی پرسکون اور خوش تھی نائیں۔ پتا نہیں انسان کو زندگی میں وہ سب کچھ کیوں نہیں ملتا جس کی وہ آرزو کرتا ہے۔“ یاسیت نے ایک بار پھر اس کے اندر ڈیرے جمائے۔

اس گھر میں آکر اس کے زخم ایک بار پھر تازہ ہو گئے۔ بہت کچھ یاد آگیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ سعدون یکن سے بھاپ اڑاتے چائے کے دو کپ لے کر نکلا تھا۔

”اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟“ چائے کا کپ اس کی طرف بڑھاتا ہوا وہ دوستانہ انداز میں اس سے مخاطب تھا۔
 ”میرے ساتھ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔“ اس کا سر

مومنہ نے یونہی سرسری سی نظر اس پر ڈالی لیکن پھر وہ کچھ کھوی گئی۔ بہت کچھ یاد آنے لگا تھا۔ نرم نرم سے لہجے میں کہے گئے اس کے بہت سے فقرے سماعتوں میں ابھی تک تازہ تھے۔ وہ لاکھ دامن چھڑاتی لیکن اس کی مسکراتی آنکھیں اب بھی اس کے ذہن کے درختے پر دستک دیتی تھیں۔

”جائزہ حمل ہو گیا؟“ سعدون نے ذرا سارخ موڑ کر اسے دیکھتے ہوئے اس کی محویت پر چوٹ کی تو شرمندگی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ باقی سارا وقت وہ اپنی ہتھیلیوں پر نظریں جمائے بیٹھی رہی۔ سعدون نے گھر کے سامنے گاڑی روکی تو وہ چونکی تھی۔
 ”آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔“ وہ سراپیمگی کا شکار ہوئی۔

”تم سے کچھ پرانے حساب نکلتے ہیں وہ بے باق کرنے ہیں۔“

سعدون کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔
 ”آپ پلیز مجھے میرے گھر لے چلیں۔“ مومنہ گاڑی سے اترنے سے صاف انکاری ہو گئی۔ وہ اسے خالہ جان کے گھر لے آیا تھا جہاں آج کل اس کے موا کوئی نہیں رہتا تھا۔ باقی سب لوگ مومنہ کے گھر قیام پذیر تھے۔ کیونکہ باقی سب لوگ تو ہسپتال اور گھر کے درمیان گھن چکر بنے ہوئے تھے اور اماں کے لیے اکیلے دنوں گھر سنبھالنا دشوار تھا۔ کچھ خالہ جان کی تنہائی کا خیال تھا اسو وہ لوگ مومنہ کے گھر ہی رہ رہے تھے لیکن اب سعدون اسے یہاں لے آیا تھا۔

”تم اندر چلو ورنہ میں زبردستی بھی کر سکتا ہوں۔“ سعدون کے انداز میں دھمکی تھی۔

”آپ کچھ نہیں کر سکتے۔“ مومنہ خائف ہو گئی تھی لیکن پھر بھی اس نے لہجے کو مضبوط بنانے کی کوشش کی تھی۔

سعدون کے لبوں کی تراش میں مسکراہٹ ابھری تھی جسے اس نے سر جھکا کر کنٹرول کیا تھا۔
 ”اگر میں زبردستی کروں گا تو ارد گرد سب لوگ دیکھیں۔ برہمیں۔ لہذا میرے ساتھ چلو۔ اتنا تو اعتماد

جھک گیا۔

”پھر مجھ سے شادی سے کیوں انکار کیا ہے۔“

”کیونکہ آپ مجھے اچھے نہیں لگتے۔“ مومنہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھنا چاہا لیکن وہ جن نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا وہ نظریں چرا کر رہ گئی۔ کتنا تاسف تھا سعدون کے آنکھوں میں۔

”تم واقعی بہت بے وقوف ہو مومنہ۔“ سعدون نے گہرا سانس لیا۔ ”تمہیں تو جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا۔“

”میں جھوٹ نہیں بول رہی۔“ مومنہ نے مضبوط انداز میں کہنا چاہا تھا۔ لیکن اس کی آواز رندھ گئی۔ ”تمہاری آنکھیں آئینہ ہیں مومنہ اور ان آنکھوں میں میں جو پڑھ رہا ہوں وہ۔“

”کیا پڑھ رہے ہیں آپ کچھ نہیں پڑھ رہے نہ کچھ پڑھ سکتے ہیں۔“ مومنہ نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی پھر اسے اپنے آنسوؤں پہ کوئی اختیار نہ رہا۔ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

”مجھے نہیں کرتی آپ جیسے دوغلے شخص سے شادی۔“ بینش نے انکار کیا تو آپ میری طرف پلٹ آئے اس امید پر کہ۔۔۔“

”شٹ اپ۔“ سعدون نے اس کا فقرہ مکمل نہیں ہونے دیا۔ غصے کی تیز لہر اس کے وجود میں سرایت کر گئی تھی۔

مومنہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ سعدون کو چند لمحے لگے تھے خود کو کمپوز کرنے میں۔

”تم سے یہ سب کچھ کس نے کہا ہے۔“ بینش نے ہے نا۔“ وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ مومنہ نے کوئی جواب دیے بنا سر جھکا لیا۔

”میرے بات تم سنی نہیں، سفینہ بھابھی کی بات پر تمہیں اعتبار نہیں اور بینش کی زبان سے نکلے ہر فقرے پر ایمان لے آتی ہو۔“

”کیوں کیا آپ نے بینش کو پرپوز نہیں کیا۔ اس نے خود مجھے گولڈ کی رنگ دکھائی تھی جو آپ نے اسے گفٹ کی تھی۔“ مومنہ نے اسے آئینہ دکھانا چاہا تھا۔

”واٹ ریش۔“ وہ جھنجھلایا۔

”تم عقل کل سمجھتی ہو نا خود کو۔ تمہیں معلوم ہے بینش یوں اچانک واپس کیوں لوٹ گئی۔ اگر میں اسے واقعی پرپوز کرتا تو وہ یوں مایوس ہو کر لوٹ کر جاتی؟“ سعدون نے کہا تو اس کی گردن بے اختیار نفی میں ہل گئی۔

”نہیہ بھابھی مکمل دباؤ ڈال رہی تھیں چچی جان پر کہ وہ ایک مرتبہ مجھ سے بینش کے لیے بات تو کریں۔ میں نے انکار کیا تو بینش اس روز رات گئے میرے آفس سے آنے کے بعد میرے کمرے میں آئی تھی اظہار محبت کے لیے۔ تمہاری مہربانیوں سے اسے ایسے مواقع تو کھل کر ملنے لگے تھے۔“ سعدون نے طنز کیا۔

”اور سچ پوچھو تو مجھے اسی وجہ سے ان دنوں تم پر بھی بہت غصہ تھا بہر حال میری جگہ کوئی اور ہوتا تو مجھ کی اس کی بے باک شخصیت کے پیچ و خم میں الجھ کر اس پر محبت ہو چکا ہوتا لیکن میں نے ایسی لڑکی سے شادی کرنا ہوتی تو وہاں امریکہ میں ہی کر چکا ہوتا۔ سو اس روز میں نے ساری مروت ایک طرف رکھ کر نہ صرف اس کے اتنی رات گئے اپنے کمرے میں آنے پر شدید ترین ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا بلکہ واضح الفاظ میں بتا دیا تھا کہ مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔ آگے کی یہ ساری خرافات اس کے اپنے ذہن کی پیداوار ہیں۔ جن کو سن کر تم نہ جانے کیا کیا مفروضے قائم کیے بیٹھی ہو۔ بہر حال میں اس لڑکی کی ذہانت کا قائل واقعی ہو گیا ہوں کہ مجھ سے مایوس ہو کر اس نے کس مہارت سے تمہیں بدگمان کر کے مجھ سے دور کرنا چاہا۔“

سعدون بول رہا تھا اور وہ کچھ سمجھی اور کچھ نا سمجھی کے بین بین سب کچھ سن رہی تھی۔

”لیکن بینش تو کہہ رہی تھی کہ۔۔۔“

”مالی گڈ نیس۔ ابھی بھی بینش کے کہنے پر ہی الجھی ہوئی ہو اور میں جو کہہ رہا ہوں وہ سمجھ نہیں آ رہا۔“ سعدون ایک بار پھر تیز ہوا تھا۔

”بینش کہہ رہی تھی کہ میں آپ کو پسند کرتی ہوں

اسی لیے میری خاطر وہ ہمارے درمیان سے ہٹ رہی ہے۔ ”سعدون کی بات اور اس کا لہجہ نظر انداز کرتے ہوئے وہ پر سوچ انداز میں بولی تھی۔

”سبحان اللہ اتنی عظیم قربانی۔“ سعدون کے لہجے میں بے پناہ توصیف سمٹ آئی۔

”بائی داوے جو بات مجھے آج تک پتا نہیں چلی وہ بینش کو کیسے پتا چل گئی کہ تم مجھے پسند کرتی ہو۔ تم نے بتایا تھا؟“

”نہیں۔“ مومنہ نے نفی میں گردن ہلائی۔

وہ تو اس بات کا خود سے اعتراف کرنے سے بھی ڈرتی تھی۔

”تو یہیں سے اس کا جھوٹ نہیں پکڑ سکیں تم یہ بات زبانِ زورِ عام تو بھی نہیں اور نہ ہی وہ محترمہ اتنی نیک کہ انہیں الہام ہو گیا ہو۔“ سعدون تمسخر اڑا رہا تھا۔

”تو بات یہ ہے مومنہ بی بی کہ یہ دنیا بڑی چالاک ہے اور آپ کی عقل اچھی خاصی محدود۔“

”میری عقل محدود نہیں ہے۔“ وہ براہِ مان گئی۔ وہ مسلسل اس کی عقل پہ طنز کیے جا رہا تھا۔

”جو کچھ میرے ساتھ ہوا آپ کے ساتھ ہوتا تو آپ بھی اسی طرح ری ایکٹ کرتے۔ اس رات میں نے خود خالہ اور خالو جان سے آپ کو کہتے سنا تھا کہ مجھے میرے گھر بھیج دیں میری موجودگی سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے۔“

”ہاں میں نے کہا تھا۔ بینش کے واپس لوٹنے کے بعد نعیمہ بھابھی نے چچی جان کو فون کر کے تم پر جو لغو اور بے بنیاد الزامات لگائے تھے وہ اگر تم سن لیتیں تو تمہیں اندازہ ہوتا کہ میرا یہ فیصلہ کس حد تک راست تھا۔ ہم لوگوں نے نعیمہ بھابھی کی یہ تمام گفتگو تم سے چھپائی تھی کیونکہ ہمیں پتا تھا تم یہ سب برداشت نہیں کر پاؤ گی۔ تکلیف وہ تو یہ میرے لیے بھی بہت تھا کیونکہ ایک طرح سے دیکھا جائے تو میری وجہ سے ہی ان کا عتاب تم پر نازل ہوا تھا۔ اسی لیے میں نے فیصلہ کیا تھا کہ تم اپنے گھر چلی جاؤ۔

میں چاہتا تھا کہ میرا رشتہ لے کر میرے گھر والے تمہارے اپنے گھر جائیں تاکہ کل کو تم پورے اعتماد اور یقین سے نئی زندگی کی شروعات کر سکو۔ لیکن تم نے مومنہ حقیقت میں مجھے بہت تنگ کیا ہے۔ تمہیں نہیں پتا کہ تم میرے لیے کتنی اہم ہو اور تمہاری ان بے وقوفانہ حرکتوں کی وجہ سے میں کتنا ڈسٹرب رہا ہوں آج انکشافات کا دن تھا۔

سعدون کا لہجہ آخر میں دھیمہ ہو گیا تھا۔ مومنہ حیرت سے منہ کھولے اسے سن رہی تھی۔ ایک ایک کر کے شک کی ساری گرہیں کھلتی جا رہی تھیں۔ شک کا بادل چھٹا تو سچائی پہ یقین آنے لگا۔

بینش نے بہت آہستہ روی سے اسے سعدون سے بدگمان کیا تھا۔ کبھی اسے سعدون کی باتیں یاد آتیں تو وہ الجھ جاتی لیکن بینش کے چہرے پر کھلتے رنگ اسے یقین کرنے پر مجبور کر دیتے تھے۔ سعدون الگ کھنچا کھنچا رہنے لگا تھا۔ چہرے پر سنجیدگی لیے وہ بلا ضرورت مخاطب بھی نہ ہوتا تھا۔ اس نے یہ غور نہیں کیا کہ اس کی یہ سنجیدگی بینش سے بات کرتے وقت کچھ اور گہری ہو جاتی ہے۔ پھر خالہ جان سے اس کی باتیں اور آخر میں بینش کا فون۔

تو یہ بھی ساری کہانی۔

مومنہ نے گہری سانس بھری۔ بینش نے واقعی بہت مہارت سے کھیل کھیلا تھا۔ شروع میں اس نے اس کے متعلق رائے قائم کی تھی کہ وہ نعیمہ بھابھی سے مختلف ہے۔ وہ واقعی نعیمہ بھابھی سے مختلف تھی کہ نعیمہ بھابھی کے دل و دماغ میں جو کچھ ہوتا تھا وہ پل بھر میں اپنا آپ سامنے والے پر عیاں کر دیتی تھیں لیکن بینش۔ اس نے جھجھری لی۔

”بس یا کچھ اور وضاحت باقی ہے۔“ سعدون کو اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے اس کی دلی کیفیت کا اندازہ ہو رہا تھا۔

”وہ آپ۔“ مومنہ کچھ جھجک کر رک گئی۔

”ہاں میں۔“ سعدون ریلیکس ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

”آپ واقعی مجھ سے محبت کرتے ہیں۔“

چہرے پر پھیلنے والی مسکراہٹ جاندار تھی۔
 ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے اس نے ایک
 استحقاق بھری نظر مومنہ کے چہرے پر ڈالی تھی۔
 چہرے پر آسودہ مسکراہٹ لیے وہ وند اسکرین سے
 باہر دیکھ رہی تھی۔ گاڑی اشارت کرتے ہوئے
 سعدون نے کیسٹ پلیئر آن کیا تو گاڑی میں بکھرتی جنید
 جمشید کی خوب صورت آواز نے اس کے دل کی
 ترجمانی کی تھی۔

دل کی باتیں سب ہی
 بن کے ہم نشین
 ہونٹ خاموش ہوں
 آنکھیں کھتی رہیں
 باتوں باتوں میں
 جیون بسر کر لیں
 بسر کر لیں
 امر کر لیں

”تو کیا اتنی دیر سے جھک مار رہا ہوں۔ عجیب
 بے تکی باتیں کرتی ہو تم، تمہیں میری محبت پر یقین کیوں
 نہیں آ رہا۔“ سعدون اب حقیقی معنوں میں
 جھنجھلا گیا تھا۔

”آپ نے اس سے پہلے کبھی کچھ کہا جو نہیں۔“
 مومنہ بھی اپنا قصور ماننے کو تیار نہ تھی۔
 ”کیوں سفینہ بھا بھی نے فارسی میں بتایا تھا کیا؟“
 ”وہ تو سفینہ آپ نے کہا تھا اور وہ اتنی اچھی ہیں کہ
 میری محبت میں کچھ بھی کہہ سکتی ہیں۔“
 ”ہاں برا تو میں ہی ہوں۔“

”نہ میں نے کب کہا۔“
 ”مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ میری زندگی تمہارے
 ساتھ گزرے گی کیسے۔“ اس نے گہرا سانس لیا۔
 ”ساری زندگی تو تمہیں اپنی محبت کا یقین دلانے
 میں ہی گزر جائے گی۔“

اس کے لہجے میں کچھ خاص تھا۔ مومنہ نے سٹپا کر
 اسے دیکھا۔ آنکھوں میں جذلوں کا جہاں لیے وہ اسی کو
 دیکھ رہا تھا۔

”اب چلیں پلیز۔ کافی دیر ہو رہی ہے۔“ مومنہ
 نے اس کی بات سنی اور: ”نہی۔ اندر کہیں خطرے
 کی گھنٹی بجی تھی۔“

”ابھی کہاں سے دیر ہو رہی ہے۔ ابھی تو اتنے ڈھیر
 سارے ڈانیا لگ بولتے ہیں مجھے جو اتنے دنوں سے
 سوچ رکھے تھے۔“

”تو اب آپ ڈانیا لگ بھی بولیں گے۔“ وہ
 بوکھلائی۔

”مجبوری ہے ورنہ کل کو تم ہی شکوہ کرو گی کہ آپ کو
 اظہار محبت کرنا بھی نہیں آتا۔“ سعدون نے بے
 نیازی سے شانے اچکائے۔

”تو پھر آپ یہاں بیٹھ کر ڈانیا لگ بولیں۔ میں
 گاڑی میں بیٹھی ہوں۔ آپ جب فارغ ہو جائیں تو
 آجائے گا۔“ مومنہ نے اسے ہری جھنڈی دکھاتے
 ہوئے باہر قدم بڑھائے۔

اس کے یوں راہ فرار اختیار کرنے پر سعدون کے

آپ کے ستارے

تیسرا ایڈیشن

ترمیم و اضافے کے ساتھ شائع ہو گیا ہے۔

☆ خوبصورت سرورق

☆ دیدہ زیب چھپائی

☆ آفست پیپر ☆ مضبوط جلد

قیمت صرف =/150 روپے

ڈاک خرچ =/30 روپے

آج ہی =/180 روپے کا منی آرڈر یا

ڈرافٹ ارسال کریں

کتاب کے ملنے کا پتا

مکتبہ عمران ڈانچسٹ

37 اردو بازار کراچی